آج ہر سانس پہ لٹکی ہوئی ننگی شمشیر
ہائے مسلم یہ تری ہند میں ایسی تقدیر

مسلمان ہونا

ہندوستانی جرم؟

سید مولانا فتح احمد بستوی مصباحی

رضوی کتاب گھر مٹیا محل، دہلی ٦

آج ہر سانس پہ لٹکی ہوئی ننگی شمشیر
ہائے مسلم کہ تری ہند میں ایسی تقدیر !

مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟

ابو ظفر مولینا فتح احمد عیش۔ بستوی مصباحی

زیر اہتمام

دار القلم ۔ ذاکر نگر۔ نئی دہلی

ناشر

رضوی کتاب گھر۔ ۴۲۳ مٹیا محل۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

فون : 3283182

کتاب : مسلمان ہونا ہندوستانی جرم ؟۔

مصنف : مولانا فتح احمد بستوی مصباحی۔

تعارف وتبصرہ: مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی علیگ

تقدیم : علامہ یٰس اختر مصباحی

تائید وتوثیق : علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

صفحات : ۵۶

سال اشاعت : مارچ ۱۹۹۶ء

تعداد اشاعت : تین ہزار

مطبع :

کتاب حاصل کرنے کے پتے

(۱) حجاز پبلشنگ ہاؤس۔ ۴۲۳ مٹیا محل۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

(۲) رضوی کتاب گھر۔ ۴۲۳ مٹیا محل۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

(۳) المجمع الاسلامی۔ محلہ رسول پور۔ محمد آباد گوہنہ۔ ضلع مئو۔ یوپی

(۴) رضا اکیڈمی۔ ۲۶ کامبیکر اسٹریٹ۔ بمبئی ۳

(۵) علیمی دربا ہوٹل۔ مصطفیٰ بازار۔ بمبئی ۱۰

مصنف کا مستقل پتہ

مولانا فتح احمد بستوی مصباحی، مقام مجھوا سیٹھ، پوسٹ ٹنڈوا، وایا اسنہرا، ضلع بستی، یوپی انڈیا

پن کوڈ ۲۷۲۰۰۱

سرحدیں

(فہرست)

مصنف کا موجودہ پتہ

Sayyid Maulana Fateh Ahmed Bastavi Misbahi

44, CASPIAN STREET-WESTCLIFF

CHATSWORTH-DURBAN-R.S.A

انتساب

☆ اس عظیم روحانی پیشوا، ہند کے راجہ، خواجہ غریب نواز کے نام
جس نے ہندوستان میں اسلامی تعلیمات اور بھائی چارگی کا درس دیا

☆ ان علماء کرام و مشائخ عظام کے نام
جنہوں نے ہندوستان کو دار الاسلام سمجھا

☆ ان فاتحین و سلاطین کے نام
جن کے دم سے ہندوستان کا رعب و دبدبہ قائم تھا

☆ ان مجاہدین آزادی کے نام
جن پر ہندوستان ہمیشہ فخر کرتا رہے گا

☆ ان مظلوم مسلمانوں کے نام
جن کا مسلمان ہونا ہندوستانی جرم سمجھا گیا

☆ اس شہید بابری مسجد کے نام
جس کے سنگریزوں کی صدائے لاہوتی قیامت تک پورے ہندوستان میں گونجتی رہے گی

☆ اس کمزور، لاچار، میٹھی اردو زبان کے نام
جو ہندوستان میں مسلمانوں کی مظلومیت پر باقاعدہ فریاد بھی نہیں کر سکتی

☆ اور اس عظیم ملک ہندوستان جنت نشان کے نام
جو کبھی تہذیب و تمدن اور صلح و آشتی کا حسین گہوارہ تھا

☆ خصوصاً اپنے لاڈلے بیٹے محمد ظفر احمد کے نام
جو ہندوستان کے یوم آزادی ۱۵/ اگست ۱۹۹۵ء کو ساؤتھ افریقہ میں پیدا ہوا

جھوٹ روکے گا راستہ کب تک
سچ کی خوشبو ضرور پھیلے گی

ابوظفر فتح احمد بستوی مصباحی ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ
یکم فروری ۱۹۹۶ء

پیش لفظ

زندہ ضمیری

گزشتہ پچاس سال کے اندر ہندوستان میں بار بار ظلم وستم اور جبروتشدد کا بازار گرم ہوا مسلمان گاجر، مولی کی طرح کاٹے گئے، ان کی عزت وآبرو سربازار نیلام ہوئی، اور مسلمان خاموشی کے ساتھ اپنی ان ہلاکت خیزیوں پر خون کے آنسو بہاتے رہے۔

اس بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پانے، اور مستقبل کی تمام تر تباہیوں اور بربادیوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے اگر ہم مسلمانوں نے کوئی مناسب راہ عمل تلاش نہ کیا، تو وقت کا یہ ایک عظیم ملی اور اجتماعی جرم ہوگا، ظلم ایک عظیم گناہ ہے مگر ظلم پر خاموشی بدتر از گناہ ہے، اگر مقابلہ کی طاقت نہیں، تو مدافعت کی تدبیر ہی سوچنا چاہیے۔

میں نے اپنی اس کتاب "مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟" میں حدیث رسول "افضل الجهاد کلمة حق عند سلطان جائر" پر عمل کرتے ہوئے ان تاریخی سچائیوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے، جو ہندوستان میں مسلمانوں کی تقدیر بن چکی ہیں۔

تاکہ ہندوستانی مسلمان مایوسیوں کے جنگل سے باہر نکل کران نامساعد حالات میں بھی اپنے عزم وحوصلہ کا شہر آباد کریں۔ اور خود اعتمادی وخدا اعتمادی سے جواں مردی کے ساتھ خاک ہند میں اپنی باوقار زندگی کا استحقاق ثابت کریں۔ کیونکہ امت مسلمہ ایک زندہ اور پائندہ قوم ہے۔

میں شکرگزار ہوں مجسم مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی علیگ کا جنہوں نے "تعارف تبصرہ" کے ذریعہ میری عزت افزائی فرمائی، ممنون ہوں استاد محترم علامہ یٰس اختر مصباحی کا جنہوں نے اپنے "مقدمہ" سے میرا حوصلہ بڑھایا، احسان مند ہوں مخدوم گرامی حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری کا جنہوں نے "تائید وتوثیق" سے میرے افکار وخیالات پر مہر تصدیق ثبت فرمائی، اور خراج عقیدت ومبارکباد پیش کرتا ہوں ادارہ۔ رضوی کتاب گھر، مٹیا محل۔ دہلی ۶ کو جس کی کوششوں سے "کتابی دنیا" میں ایک ہلکا سا اضافہ ہوا۔

خوشامدوں میں نہیں عظمت وفا یارو
اگر ضمیر ہے زندہ تو آؤ سچ بولیں

خطیب وامام یونٹ ۳ مسجد۔ چسٹورتھ
ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ

فقط
ابوظفر فتح احمد بستوی مصباحی
یکم فروری ۱۹۹۶ء

کتاب و صاحب کتاب

ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم۔ استاذ شعبۂ اسلامیات ہمدرد یونیورسٹی۔ دہلی

مشرقی ہندوستان کی عظیم اسلامی درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارکپور اعظم گڑھ کے جن فارغین نے ہند سے زیادہ بیرون ہند کو اپنی علمی، فکری اور تبلیغی سرگرمیوں کے لیے جولان گاہ بنایا ان میں حضرت مولانا حافظ فتح احمد عیش بستوی کا نام بھی قابل ذکر ہے۔

مولانا فتح احمد بستوی کی تعلیمی نشو ونما ابتدائی مرحلہ میں دارالعلوم امدادالعلوم مٹھنا ضلع سدھارتھ نگر یوپی میں ہوئی وہاں انہوں نے حفظ کلام اللہ کیا پھر علوم شرعیہ کی تحصیل کے لیے مبارک پور پہنچے میری پہلی ملاقات حافظ صاحب سے وہیں ہوئی ان دنوں میں اسی ادارہ میں درجات علیا کا طالب علم تھا۔ داخلہ کی مشکلات سے گزرنے کے بعد وہ پڑھنے میں مصروف ہوگئے اس کے بعد میں دو ڈھائی سال وہاں رہا اس دوران حافظ صاحب سے صرف ملاقاتیں ہی نہیں رہیں بلکہ ساتھ میں اٹھنا بیٹھنا اور رہنا سہنا بھی رہا کچھ دنوں تک تو جونیر اور سینئر کے آداب ملحوظ خاطر رہے لیکن بعد میں یہ سارے بندھن ٹوٹ کر دوستی میں تبدیل ہوگئے۔ اور ایسا صرف ان کے اخلاق و کردار سے متاثر ہر کر کرنا پڑا حافظ صاحب ہنس مکھ اور ملنسار تو تھے ہی قطع نظر اس کے ان کی دو خصوصیات نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ پہلی بات تو یہ کہ وہ پڑھنے میں محنت کرنے کے عادی تھے اور ہر وہ

طالب علم جو محنت سے پڑھتا ہے وہ مجھے عزیز ہوتا ہے اس کی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ اساتذہ اور اپنے سینئر طلبہ کے ساتھ بڑی عزت و احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اپنے اس مخلصانہ رویہ کے سبب وہ صرف میرے ہی نہیں بلکہ نہ جانے کتنے اساتذہ و طلبہ کے محبوب نظر تھے۔ اور آج بھی اپنی انہیں خصوصیات کے باعث حلقہ احباب میں ہر دل عزیز ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ سے ۱۹۸۵ء میں فراغت کے بعد حافظ صاحب نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے لیے عروس البلاد بمبئی کا انتخاب کیا۔ وہاں انہوں نے ایک اچھے مدرس کی حیثیت سے طلبہ کی تعلیمی نشو ونما فرمائی اور ایک کامیاب امام و خطیب کی حیثیت سے امت مسلمہ کی دینی رہنمائی اور مذہبی قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ اس دینی مقصد میں وہ کتنے کامیاب رہے اس کا اندازہ خانہ خدا میں بندگان خدا کی حاضری سے لگایا جاسکتا تھا۔ آج کل تقریبا چار سال سے بیرون ہند ساوتھ افریقہ کے ایک مشہور شہر ڈربن میں امامت و خطابت کے ذریعہ اشاعت دین حق کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ روزانہ تفسیر و حدیث کا درس بھی ہوتا ہے اور فقہی سوالوں کے جوابات بھی دیے جاتے ہیں۔ عوامی جلسوں میں وعظ و تبلیغ اور نظامت کی مصروفیات اس پر مستزاد ہیں۔ منبر و محراب اور ذکر و فکر کی گوناگوں مصروفیات کے علاوہ لوح و قلم سے بھی رشتہ اچھا خاصا استوار ہے۔ گویا کہ اسلام کے آفاقی پیغام کی کماحقہ اشاعت کے لیے وہ ہر طرح میدان عمل میں ہیں۔ ہندوستانی رسائل و مجلات میں دینی و سماجی موضوعات پر چھپنے والی ان کی تحریریں اس پر شاہد ہیں۔ حجاز جدید دہلی میں نائب مدیر کی حیثیت سے ایک عرصہ تک کام کیا ہے اس لیے صحافت کا بھی اعلیٰ مذاق حاصل ہے۔

اپنی ان گوناگوں خصوصیات کے باعث حافظ فتح احمد اس کے زیادہ مستحق تھے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا گہرائی سے جائزہ لیں اگرچہ وہ اب ہندوستان سے بہت دور سات سمندر پار ہیں لیکن وطن عزیز کی محبت اور داخلی معاملات بالخصوص مسلمانوں کے مسائل سے انہیں خاص دل چسپی ہے عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جو جہاں رہتا ہے وہاں کے مسائل وہاں کے کلچر کا دلدادہ ہوکر فکری سرگرمیاں اسی کی طرف مرکوز

کر دیتا ہے مگر حافظ صاحب ساؤتھ افریقہ میں رہتے ہوئے بھی اپنا تشخص برقرار رکھے ہوئے ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ اپنی تقریروں اور تحریروں سے برملا اس کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟" اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ خلیجی جنگ اور اس کے عوامل و محرکات کے موضوع پر "مردہ زندگی زندہ موت" کی عمدہ کتابت، دیدہ زیب طباعت اور بھرپور اشاعت کے بعد مصنف نے اپنا فکری رجحان ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کی طرف مرکوز کیا اور مختلف رسائل و مجلات اور جرائد و اخبارات کے علاوہ ذاتی مشاہدات کی روشنی میں اپنا تاثر کتابی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل کا جس تعمق نظر اور دیدہ ریزی کے ساتھ مصنف نے جائزہ لیا ہے اس کا صحیح اندازہ تو کتاب کے مطالعہ کے بعد ہی ہوگا لیکن اتنا مسلم ہے کہ ہندوستانی مسلمان ہندوستان کی سرزمین پر جس کرب و اضطراب کی زندگی بسر کر رہے ہیں اس کا اندازہ ہندوستان کی سیاسی و غیر سیاسی، سماجی و غیر سماجی اور مذہبی و غیر مذہبی تمام شخصیتوں کو ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کا ورق الٹتے ہی سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسی خونچکاں داستانیں زیر مطالعہ آئیں گی جن کا تعلق صرف اور صرف مسلمانوں اور ان کے معاشی، سماجی اور تہذیبی مسائل سے ہوگا۔ پچھلی دو تین دہائیوں میں ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیا ہوا اس کی شاہد تو ہمارے ماتھے کی نگاہیں بھی ہیں۔ ان بلاخیز واقعات کو ضبط تحریر میں لانا تو درکنار ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زیر نظر کتاب "مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟" میں برادران وطن کی دہشت و بربریت کی لرزہ خیز داستانوں کی قدرے تفصیل ہے یہ کتاب صرف ایک تاثراتی تحریر اور تجزیاتی مطالعہ کا نچوڑ ہی نہیں بلکہ ہندوستانی مسلمانوں کی عزت و ناموس کی ایک درد انگیز کہانی بھی ہے۔ ایسا سب کچھ کیوں ہو رہا ہے اس سلسلے میں انہوں نے ہندوستان کی مسلم قیادت کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اور وثوق کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ جب تک مسلمانوں کی قیادت صالح اور صحت مند ہاتھوں میں نہ ہوگی مسلمان اسی طرح زبوں حالی کا شکار رہ کر آئے دن اپنی اور اپنے خاندان کے افراد کی جانوں کا نذرانہ پیش کر کے ہندوستان کو سرسبز و شاداب کرتے رہیں گے۔ مسلمانوں کی

موجودہ قیادت فرسودہ ہو چکی ہے قوم کے غیور مصلحانہ فکر رکھنے والے نوجوانوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے اگر قیادت میں تبدیلی نہیں کی گئی یا اس کا طریقہ کار نہیں بدلا گیا تو وہ نکبت و ہلاکت اور تباہی و بربادی جو ملت اسلامیہ کا مقدر بن چکی ہے اس سے کبھی نجات ممکن نہ ہوسکے گی۔ خدا کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ اس کتاب کے ذریعہ

عزائم کو سینوں میں بیدار کردے
نگاہ مسلمان کو تلوار کردے

آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

غلام یحیٰی انجم

استاذ شعبہ اسلامیات۔ ہمدرد یونیورسٹی۔ دہلی

مارچ ۱۹۹۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

مسلمانان ہند کا مستقبل

سیاست حاضرہ کی نیرنگیوں، بساط سیاست کی چالوں اور لیڈروں کی قلابازیوں کو شب و روز دیکھتے دیکھتے ایک عام شہری بھی اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہو چکا ہے کہ ؎

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

لیکن اس رزم گہ حیات کی ایک دوسری حقیقت بھی ہر شخص اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ معاشرہ کا ہر شعبہ سیاسی اثرات و خطرات کی زد میں ہے۔ اور بقدر صلاحیت و محنت سبھی قومیں اس میکدۂ سیاست کے جام و مینا سے شغل کام و دہن میں مصروف اور مخمور و سرشار ہو رہی ہیں۔ گویا ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

تنازع للبقاء ایک بہت قدیم اصول ہے۔ صرف بیگانوں کے ساتھ نہیں بلکہ اپنوں سے بھی کش مکش کا سلسلہ ہر دور میں چلتا رہا ہے۔ جذبۂ مسابقت انسانی فطرت میں شامل ہے۔ نظر اٹھا کر دیکھئے تو ہر کوئی اپنی بقاء و ترقی کی دھن میں مگن ہے۔ کسی راہ میں وہ جرأت مندانہ اقدام کر رہا ہے تو کسی محاذ پر اپنی پوری تیاری و توانائی کے ساتھ درپیش خطرات سے اپنا دفاع بھی کر رہا ہے۔

ہندوستان کے طول و عرض میں طرح طرح کے رجحانات و نظریات جنم لے رہے ہیں۔

فاشزم، نیشلزم، سوشلزم اور سیکولرزم کی اپنی ایک رام کہانی ہے۔ لسانی و علاقائی تعصبات کی آندھیاں بھی زور و شور سے چل رہی ہیں۔ برہمن واد، ٹھاکر واد، یادو واد، اور ہریجن واد کا طوفان بھی کچھ کم نہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ہندوتوا کے تازہ فلسفہ نے صدیوں پرانی روایات و اقدار کو تہس نہس کرنے پر کمر کس لیا ہے۔

سیاسی بازار میں شور و ہنگامہ کا عجیب عالم ہے فنکشن اور کنونشن کا دور دورہ ہے۔ عوام کے ذریعہ الکٹ یا ارباب اقتدار کے ذریعہ سلکٹ کیے جانے کے لیے بڑے بڑے سورما اپنی قسمت آزما رہے ہیں۔ گرما گرم نعروں، دلکش بیانوں، خوش نما وعدوں کی ایسی لڑی اور جھڑی لگی ہوئی ہے کہ نوٹ برائے ووٹ۔ ووٹ برائے نوٹ کے لین دین اور الیکشن و سلکشن کے دلدل میں ووٹر و لیڈر دونوں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ مشق ستم جاری ہے اور اس ہنگامۂ دار و گیر سے کیسے رستگاری ہے؟

کچھ دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کے تعلق سے "ہندوتوا" کا رویہ بڑا جارحانہ ہو گیا ہے۔ مذہب، تہذیب، زبان تینوں پر زبردست یلغار ہے۔ فتنہ پرور عناصر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اتنی خفیہ اور طویل المیعاد سازشیں کر رہے ہیں کہ ان کے پیچ و خم کو سمجھنا اور اپنے دفاع کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا ہر مسلمان کے لیے از بس ضروری ہو گیا ہے۔

مساجد و مدارس اور مقابر و مزارات بھی اس "ہندوتوا" کی ستم رانیوں سے محفوظ نہیں۔ بابری مسجد کا حادثہ فاجعہ اور قصۂ خون ناپ ابھی کل کی بات ہے۔ جس نے ہندوستانی دستور و قانون کی دن دہاڑے دھجیاں بکھیر دیں۔ اور ساری دنیا میں ہندوستان کو رسوا و بدنام کر کے رکھ دیا۔

اب یونیفارم سول کوڈ کے جبری نفاذ کی تیاری ہے۔ پرائیوٹ کمپنیوں اور فیکٹریوں سے لے کر سرکاری دفاتر و تعلیم گاہوں اور تجارت سے لے کر ملازمت تک ہر طرف تعصب ہی نہیں بلکہ نفرت کا بول بالا ہے۔ جانی و مالی نقصانات کا ذکر ہی کیا کہ اب تو مسلمانوں کی وطن دوستی بھی مشکوک سی ہو کر رہ گئی ہے اور نوبت بایں جا رسید کو مسلمان ہونا گویا ہندوستانی جرم بن گیا ہے۔

لیکن اسلام کا نام لینا اس اور اس کا دامن تھام لینا کوئی جرم ہے تو زندگی کی آخری سانس تک ہم یہ جرم کرنے اور اس کی سزا بھگتنے کو تیار ہیں۔ کیونکہ یہ جرم تو ہمیں اپنی جان ومال سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ اور ہمارے اسلاف کرام کی سنت بھی یہی ہے کہ؎

ہزار بار نتائج سے ہو کے بے پروا
اسی کا نام لیا جس کا نام لینا تھا

ہندوستان ہمارے قابل فخر آباء و اجداد کی سرزمین ہے۔ جس میں ہمارا موروثی حصہ ہے۔ اس کے سینے میں ہماری عظمتوں کے نشان دفن ہیں۔ اس کے ویرانوں کو ہم نے آباد کیا۔ اور آبادیوں کو شعور حیات بخشا۔ علم وفن کی شمع جلائی۔ تہذیب ومعاشرت کے اصول سکھائے اور اس کی تعمیر وترقی میں ہمارا خون جگر شامل ہے۔ اس کی فضاؤں میں لاہوتی نغمے بکھیر کر سرد وبے جان لاشوں میں روح انسانیت پھونکنے کا سہرا ہمارے سر ہے۔ ہم نے ہی اپنے ابر کرم اور چشمۂ صافی سے اس خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کرکے اسے لذت بہار سے آشنا کیا ہے۔ اس لیے کشمیر سے کنیا کماری تک اس کے چپہ چپہ اور ذرہ ذرہ پر ہمارا پیدائشی، قانونی، اخلاقی حق ہے۔ اور؎

کبھی شاخ وسبزہ وبرگ پر کبھی غنچہ وگل وخار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں، مرا حق ہے فصل بہار پر

زندہ قومیں گزرے ہوئے کل کے مصائب کا ماتم نہیں کرتیں اور حال کی مشکلات کا صرف رونا نہیں روتیں بلکہ مستقبل کا لائحہ عمل تیار کرکے اس پر عمل پیرا ہوتی ہیں۔ شب دیجور کی ظلمتوں میں وہ اپنے لئے امید کی کرن تلاش کرلیتی ہیں اور طلوع ہونے والے خورشید سحر کے استقبال کا سامان کرلیتی ہیں۔ کیا صفحۂ گیتی پر قوم مسلم سے بھی زیادہ زندہ دل قوم تاریخ کے کسی دور میں بھی چشم فلک نے کبھی دیکھا ہے؟

روس وترکی میں الحاد و مغربیت نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ صہیونیت و صلیبیت زوال اسلام و مسلمین کی داستانیں چٹخارے لے کر بیان کر رہی تھی۔ لیکن آج ساری دنیا اس حقیقت کا چشم سر سے مشاہدہ کر رہی ہے کہ؎

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

عزیز گرامی قدر مولانا فتح احمد بستوی مصباحی نے اس کتابچہ کے اندر جو کچھ لکھا ہے اس میں مظلوم مسلمانان ہند کے زخمی دلوں کی آہ اور جذبات کا تلاطم شامل ہے۔ پنجۂ استبداد کے مظالم کا بیان ہے۔ گرم اور سلگتے ہوئے عزائم کا اظہار ہے جس کی تپش اور سرخی ورق ورق پہ نمایاں ہے۔

خدائے قدیر مسلمانان ہند پہ رحم فرمائے۔ ظالموں کے ظلم سے انہیں محفوظ رکھے، اور ان کا مستقبل تابناک بنائے۔ آمین

یٰس اختر مصباحی۔ بانی و مہتمم دارالقلم دہلی۔

مارچ ۱۹۹۶

مسلمان کا اظہار مظلومیت بھی جرم

از: محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفےٰ قادری مصباحی
شیخ الحدیث و صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور

ہندوستان کے معاندین اسلام اور مفاد پرست لیڈر، اسلام اور اہل اسلام کے معاملہ میں سنگین حد تک تنگ نظری کا شکار ہیں۔ اور انہوں نے اپنے نظریہ کے اعتبار سے اسلام کے خاتمہ کا بیڑا ہی اٹھالیا ہے۔ یہ افراد اسلامی شعار کو کیا برداشت کریں گے؟ کہ جن چیزوں سے مسلمانوں کا ادنیٰ تعلق بھی ظاہر ہو اسے بھی گوارہ کرنے کے روادار نہیں ہیں۔

زبان و بیان، تہذیب و کلچر، تعلیم و تعلم، تجارت و ملازمت، شہروں اور قصبوں کے اردو یا اسلامی نام، عائلی قوانین، غرض کہ مسلمانوں سے متعلق ہر گوشہ ربط کو فنا کیا جا رہا ہے۔ اور انہیں اس کام کے لیے کوئی نہ کوئی بہانہ وضع کرتے دیر بھی نہیں لگتی۔

آزادی کے بعد ہی سے اسکولوں اور کالجوں میں تحریف شدہ تاریخوں کو نصاب تعلیم میں شامل کیا جاتا رہا ہے اور اب تو مدارس اسلامیہ کے نصاب درس بھی مسخ و تحریف کی زد پر آچکے ہیں۔

فرقہ وارانہ فسادات تو گویا ہندی مسلمانوں کے مقدر بن چکے ہیں۔ پھر ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ ان خود ساختہ حکمرانوں کی نظر میں مظلومیت کی کراہ بھی جرم ہے۔ اور اسی مقصد سے ٹاڈا اور پیسا کی لا متناہی قید و بند کے قوانین ایجاد کیے گئے۔ بالفاظ دیگر یہاں مسلمان ہونا بھی جرم ہے۔ اور مسلمان کا اظہار مظلومیت بھی جرم ہے۔

محب گرامی مولانا فتح احمد بستوی مصباحی صاحب نے تاریخی شواہد کے ساتھ ان نازک اور پر خطر مسئلوں پر خاصی روشنی ڈالی ہے تاکہ قوم مسلم بیدار ہو کر اپنے اسلامی تشخص کا تحفظ کر سکے۔ اور مسلم لیڈروں کو بھی بیدار ہونے پر مجبور کرے۔

مولانا موصوف کا ملی درد رب قدیر ہر فرد مسلم کو عطا کرے۔ آمین

ضیاء المصطفےٰ قادری

۹۶/۲/۲۲ء

وارد حال

ڈربن۔ ساؤتھ افریقہ

مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟

آزادی کے خوش نما اور سنہرے خواب نے مسلمانوں کو یہ امید بندھائی تھی کہ اب ہم سیکولر اور جمہوری ہندوستان میں آزادی کے ساتھ خوش گوار زندگی کا استقبال کریں گے۔ ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اور آج یہی سیکولر اور جمہوری ڈھانچہ حملوں کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ ہندوستان میں ہر طرف مسلمان مارے جارہے ہیں۔ فرقہ پرست اور اسلام دشمن عناصر نے ہماری آبادی کو جس نفرت وعداوت کی بھٹی میں جھونکا ہے ابھی تک ہم اس سے نکلنے کی تدبیر بھی نہ کرسکے اور حالات روز بروز ابتر ہی ہوتے چلے جارہے ہیں بلکہ چند سالوں سے تو حالات اس قدر نازک اور ہنگامہ خیز ہوگئے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔

اقلیت (مسلم قوم) کو حکومت سے مسلسل بے اعتمادی مل رہی ہے اور اکثریت (ہندو قوم) نے نہایت ہی زور و شور سے مسلمانوں کو ننگ وطن اور ملک کا غدار کہنا شروع کر دیا ہے۔

حالانکہ تاریخ اس بات پر پردہ نہیں ڈال سکتی کہ مسلمان آزادی کی جنگ میں برابر کے شریک تھے، ہندوستان کی مٹی میں مسلمانوں کا بھی خون پسینہ شامل ہے۔ جنگ آزادی کے بانی بہادر شاہ ظفر سے لے کر حولدار عبدالحمید تک (جن میں سیکڑوں علماء کرام بھی شامل ہیں) کی قربانی و وفاداری پر شک نہیں کیا جا سکتا۔

مگر مسلمانوں نے خواب میں بھی یہ نہیں سوچا ہوگا کہ آزادی کے ملتے ہی ان کی قوم و ملت پر غداری کا الزام لگا دیا جائے گا؟ ان پر فرقہ پرست افراد اور جابر حکمراں مسلط

کر دیے جائیں گے ؟ قتل و غارت گری اور آگ و خون کی ہولی کھیلی جائے گی ؟ اللہ و رسول کی شان میں گستاخیاں کی جائیں گی ؟ اسلام پر کیچڑ اچھالی جائے گی؟ ان کے مذہبی نسخہ کیمیا قرآن و حدیث پر مقدمہ دائر کیا جائے گا؟ مسلم پرسنل لاء میں مداخلت ہوگی ؟ مسجدوں کو (مدرسوں اور خانقاہوں کو بھی) شہید کیا جائے گا یا ان پر غاصبانہ قبضہ کرکے نہ صرف بے حرمتی بلکہ انہیں اپنا معبد بنا لیا جائے گا؟ مسلمانوں کے مال و جان کو نقصان پہونچایا جائے گا؟ مسلم عورتوں کی عزت و عصمت سر بازار نیلام کی جائے گی ؟ ننھے ننھے مسلم بچوں کی گردنیں مروڑ دی جائیں گی اور کمسن مسلم بچیوں کے ساتھ نازیبا سلوک کیا جائے گا؟ ان کی مادری زبان اردو کے ساتھ نا انصافی ہوگی؟ تعلیمی معیار اور سرکاری ملازمتوں سے یکسر محرومی ہوگی؟ معاشی اعتبار سے مسلمانوں کو مفلوج اور کمزور کر دیا جائے گا؟ ہندو مسلم فساد کے نام پر مسلم کش فساد ہوں گے ؟ شانتی سینا، پولیس اور پی اے سی کی گولیوں پر صرف مسلمانوں کے نام لکھ دیے جائیں گے؟ ملک کے سیکولر اور جمہوری ڈھانچے کے پرخچے اڑائے جائیں گے اور انہیں پاش پاش کرکے فوجی آمریت اور "ہندو راشٹر" کی فسطائی حکومت کا خواب دیکھا جائے گا ؟ مسلمانوں کو ملک کا دشمن و غدار اور ایجنٹ سمجھ کر ہندوستان کی زمین ان کے لیے تنگ کردی جائے گی ؟ اور ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ ہندوستان میں "مسلمان ہونا ہندوستانی جرم" سمجھا جائے گا ؟

سیاسی رہنماؤں کی بدولت ١٩٤٧ء میں جب ملک تقسیم ہوگیا تو ہندو مسلم تعلقات میں بنیادی فرق نمودار ہوا۔ منافرت کے سیلاب نے لاکھوں گھروں کو ماتم کدہ بنا دیا اور بغض و عناد کی دبی چنگاری شعلہ جوالہ بن بیٹھی جس سے عوام خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کی مشکلات میں کافی اضافہ ہوتا چلا گیا۔

حالانکہ ١٣/١٤/ اگست ١٩٤٧ء کی درمیانی شام و شب کو محمد علی جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے اپنے بیان کے ذریعہ یہ یقین دلایا تھا کہ دونوں ممالک (ہندوستان اور پاکستان) میں اقلیتوں کی حفاظت کا پورا پورا انتظام ہوگا۔ انہیں اپنے آبائی قدیمی اور مذہبی ماحول سے الگ نہیں ہونا پڑے گا۔ ہمارے ملک کے دیگر رہنماؤں نے بھی یہی

دعویٰ کیا تھا کہ ہندوستان سیکولر رہے گا اور ہر فرقہ کے ساتھ برابری کا سلوک کیا جائے گا۔ پنڈت نہرو نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ مذہب کی بنیاد پر اگر کوئی شخص کسی شخص کو نقصان پہونچائے گا تو میں ایک سربراہ ملک کی حیثیت سے اور ایک امن پسند انسان کی حیثیت سے بھی اس کے خلاف جنگ لڑوں گا۔ مگر آج کیا اس وقت سے ہی معاملہ اس کے بالکل برعکس نظر آرہا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان ایک سیکولر اور جمہوری ملک ہے۔ یہاں پر تمام قسم کے فرقے آباد ہیں۔ جن کو اپنے اپنے مذہب کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے اور مذہبی کتابوں اور رہنماؤں کو ماننے کا حق آئین ہند نے دے رکھا ہے۔ جس کے تحت تمام فرقے (ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ) اپنے سبھی تہواروں کو (مذہبی اور من گھڑت کو بھی) نہایت ہی شان و شوکت (بلکہ کچھ تجاوز) کے ساتھ مناتے ہیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کا جنم دن اور ان کی یادگار جب اور جہاں نیز جس طرح بھی چاہتے ہیں منعقد کرلیتے ہیں۔

مگر نہایت ہی افسوس ہے کہ اسی ملک میں ایک اقلیتی طبقہ سے تعلق رکھنے والی مسلم قوم (موجودہ دور میں تقریباً بیس کروڑ پر مشتمل ہے اور جس کا ہر فرد ہر حال میں محب وطن اور وفادار ملک ہے) کے ساتھ حکومت ہر معاملہ میں سوتیلے طرز عمل کے تحت غیر جمہوری اور غیر آئینی رویہ اختیار کیے ہوئے ہے۔

حکومت اور انتظامیہ کے اسی غلط رویہ کی وجہ سے اکثریتی فرقہ بلکہ تمام فرقے مل کر اس مسلم قوم کے خلاف شب و روز برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ اور اس کے مذہبی رہنماؤں، شرعی تہواروں، دینی جلسوں، اور اسلامی جلوسوں نیز عبادت گاہوں پر طرح طرح کے حملے کرتے نظر آرہے ہیں اور مال و جان تک کو نقصان پہونچانے میں مذہبی چین اور قلبی سکون محسوس کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں احساس کمتری اور بے اعتمادی پیدا ہوتی چلی جارہی ہے۔ اور ہندوستان میں مسلمان اپنے آپ کو نہ صرف غیر محفوظ بلکہ ہندوستان میں "مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟" تصور کرنے لگا ہے۔

لہٰذا آج مسلمانوں میں اعتماد پیدا کرنے اور انہیں حفاظت کی ضمانت دینے کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ تقسیم وطن کے المیہ کے باوجود سیکولر اور جمہوری راستے کو

اختیار کر کے آزاد ہندوستان میں کثیر مذہبی معاشرے کے اتحاد و یکجہتی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

مضمون کے آخر میں چلتے چلتے اس حقیقت کا بھی اظہار کر دینا چاہتا ہوں کہ بھارت سے مسلمانوں کے وجود کو دنیا کی کوئی بھی طاقت ختم نہیں کر سکتی، کیونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کا بھی ایک حق اور حصہ ہے، اس دھرتی کا مسلمان بھی ایک لاڈلا سپوت ہے۔ یہ اس کا ملک و وطن ہے اور وہ اس کا باشی اور شہری ہے، یہی نہیں بلکہ ہندوستان مسلمانوں کا گلستان ہے تو مسلمان ہندوستان کی بلبل ہے۔

ابو ظفر فتح احمد بستوی مصباحی۔

ڈربن ساؤتھ افریقہ۔ ۶/ دسمبر ۱۹۹۵ء

ہائے مسلم کہ تری ہند میں ایسی تقدیر؟

ہندوستانی مسلمان آج تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہے ہیں اور ان کے امتیاز و تشخص پر ہر چہار جانب سے عوامی اور سیاسی سطح پر منظم انداز سے حملے کیے جا رہے ہیں۔ ہندوستان میں قوم مسلم جس اضطراب و بے چینی کا شکار ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں۔ قدم قدم پر اس کی عزت و آبرو اور غیرت کا امتحان ہو رہا ہے۔ اس کی خود داری کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ اس کی وفاداری کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا جا رہا ہے، اس کو وطن سے بے وطن کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ اس کی زبان و تہذیب کو ملیا میٹ کرنے کی اعلانیہ کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اس کے خلاف ہندوؤں کا ذہن مسموم کرنے کے لیے باقاعدہ پمفلٹ اور ہینڈبل شہر شہر مفت تقسیم کیے جا رہے ہیں، ہر موقع پر " ہندی، ہندو، ہندوستان" کا خواب شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے فضا ہموار کی جا رہی ہے، اور اب تو مسلمانوں کے وجود کو بھی ناقابل برداشت سمجھا جانے لگا ہے۔ (۱)

اسلام و مسلمانوں کے لیے موجودہ دور کے فتنے بہت مہیب اور خوفناک ہیں۔ مختلف قسم کے دشمنوں کا اسلام و مسلمانوں کو مٹا ڈالنے کے لیے ٹوٹ پڑنا، مسلمانوں کی تباہی و بربادی کو اپنی زندگی کا اہم مقصد قرار دینا، مسلمانوں سے نفرت کرنا، انہیں حقارت سے دیکھ کر ان کا مذاق اڑانا، مسلمانوں کو چھیڑنا، پریشان کرنا، اسلام و شاہان اسلام کی شان میں گستاخیاں کرنا، اللہ و رسول کو گالیاں دینا۔ اسلام و مسلمین کی توہین کے ٹریکٹ چھاپنا، بلکہ اب تو انٹر نیشنل طور پر پوری ناول نما کتاب شائع کر کے مفت یا کم قیمت پر تقسیم کرنا، پوری دنیا خصوصاً ہندوستان میں شیوہ بن گیا ہے۔ یہ وہ حالات ہیں جو

عذاب جان ہیں۔

اب تو مسلم کشی کے لیے منظم پلان کے تحت خفیہ میٹنگیں کی جاتی ہیں۔ اور پوری تیاری و آمادگی کے ساتھ ایک وقت متعینہ پر مسلمانوں پر حملہ کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی وقت میں ملک کے مختلف مقامات پر فساد شروع ہو جاتے ہیں اور ہر مسلمان مباح الدم اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ مرد، عورت، بوڑھے، بچے، نوجوان، مقیم، مسافر سبھی اچانک ان ظالم سورماؤں کے تیر ستم کا نشانہ بن جاتے ہیں اور مدافعت کی تاب بھی نہیں لاسکتے۔

ان کی حمایت میں شرپسند لیڈر، وکیل، ایڈیٹر، رپورٹر، پولیس مین، بزنس مین سبھی اپنی خدمتیں پیش کرتے ہیں۔ کچھ شرپسند ہندوؤں نے مسلمانوں کے استیصال پر کمر باندھ لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں کے سبھی تہوار نہایت اطمینان کے ساتھ گزر جاتے ہیں، کوئی بھی مسلمان مزاحم نہیں ہوتا۔ مگر مسلمانوں کی جب بھی کوئی تقریب آتی ہے تو بعض فتنہ پرور ہندو جھگڑے پیدا کرنے کے لیے خلاف معمول اسی وقت اور اسی جگہ اپنی نئی نئی رسمیں نکال کر شورشیں پھیلاتے ہیں۔ ہندوؤں کے مندر کے سامنے مسلمان کہیں بھی کوئی شور و غوغا نہیں کرتے۔ لیکن۔ مسجد کے سامنے سنکھ و گھنٹی بجا بجا کر فساد کی فضا تیار کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں نے دوسری قوموں کے شانہ بہ شانہ مل کر حصہ لیا اور کسی سے پیچھے نہ رہے، مگر آج ہندوستانی مسلمان جن مصائب و آلام سے گزر رہے ہیں وہ جدید ہندوستان کی تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی نسل کشی ایک منصوبہ بند طریقہ سے کی جا رہی ہے۔ کوئی سال اور کوئی مہینہ، ایسا خالی نہیں جاتا جس میں جبر وتشدد اور ظلم و ستم کی تیز تلواریں مسلمانوں کے خون سے رنگی ہوئی نظر نہ آتی ہوں، ہندوستانی مسلمانوں کے جانی و مالی نقصانات کو دیکھ کر، سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور پوری دنیا میں ہندوستانی جمہوریت کی شرمناک رسوائی بھی ہو رہی ہے۔

آزادی کی جنگ مسلمانوں نے بڑے عزم و حوصلہ سے لڑی تھی، انہیں آزاد ہندوستان سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ مگر افسوس: جوں ہی آزادی کا خواب شرمندۂ

تعبیر ہوا مسلمانوں کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی ان کے ساتھ ہمیشہ بدسلوکی اور تنگ نظری کا رویہ اختیار کیا گیا، ان کی زندگی کا ہر مسئلہ لاینحل ہی رہا، بلکہ متعصب اور انتہا پسند سیاسی (جماعت و افراد) ان کے مسائل بجائے سلجھانے کے مزید الجھاتے ہی رہے۔ وہ چاہے تہذیب و ثقافت کا مسئلہ ہو یا زبان و ادب کا، تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہو یا معاش و روز گار کا، سیاست و معاشرت کا مسئلہ ہو یا آثار و مساجد کا۔ ہر موڑ پر ہر اعتبار سے مسلمان ناکام و نامراد رہے۔ انہیں کسی در پر خوش کن وعدوں اور پر فریب تسلیوں کے سوا کچھ نہ مل سکا۔ (۲)

اور مسلمان جو اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں، جنہوں نے صدیوں تک اس ملک پر حکومت کی ہے، جن کے ماضی کے نقوش، یہاں کی زندگی کے ہر شعبہ میں اثر انداز اور نمایاں ہیں۔ اور جنہوں نے برادران وطن کو کھانے، پینے، رہنے، سہنے اور لکھنے پڑھنے کا ڈھنگ سکھایا۔ اور جن کی مسلسل خدمات آج بھی برادران وطن کے لیے باعث فخر و اعزاز ہیں۔ انہیں مشکوک نگاہوں سے دیکھ کر طعن و تشنیع کے تیر برسانا بہت بڑی غفلت ہی نہیں بلکہ انجام کے لحاظ سے ایک بھیانک خود کشی بھی ہے۔

اس لیے ہوش کا دامن تھام کر ہر قدم آگے بڑھانا چاہیے اور موجودہ ماحول کی کثافتوں اور فضا کی آلودگیوں کو دور کر کے ایک صاف ستھرے اور پاکیزہ معاشرے کی تشکیل کے خطوط متعین کرنے چاہییں۔ اسی میں ملک و قوم اور ہر ایک کی بھلائی ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہندوستان کو بین الاقوامی سطح پر ایک نیک نام و خوشحال اور ترقی یافتہ ملک کی شکل میں پیش کیا جاسکے گا۔ (۳)

آج دو مختلف سطحوں پر دو طرح کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ایک طرف "دیش دروہی" کہتے ہیں کہ یہ دیش صرف ہندوؤں کا ہے، اس راشٹر کی بنیاد صرف ہندو مذہب، ہندو تہذیب، اور ہندوؤں کی زبان، سنسکرت یا اس سے نکلی ہوئی ہندی بھاشا پر بنی ہے۔ اس میں کسی دوسرے مذہب اور زبان کا کوئی دخل نہیں۔ یہ نظریہ پہلی مرتبہ "ساورکر" نے اپنے نام کو پردۂ خفا میں رکھ کر ۱۹۳۲ء میں شائع ایک کتاب "ہندوتو" میں ظاہر کیا تھا۔

آج ساور کر کے کنبہ (آر ایس ایس، ہندو سنگٹھن، مہا سبھا، سیوا سیمیتی، شیوسینا بجرنگ دل، شیو شکتی دل، وشو ہندو پریشد اور بی جے پی) کے لوگ "ہندو تو" اور "ہندو راشٹر" کی بات کرتے ہیں لیکن یہ نظریہ ملک کی سالمیت کے خلاف ہے۔ اس میں مذہبی، تہذیبی اور لسانی تعصب کی بنا پر ایسی یک رخی ہے۔ جو ملک کو منتشر تو کر سکتی ہے لیکن ملک و قوم کی شیرازہ بندی کے عمل میں کوئی مثبت رول ادا نہیں کر سکتی۔ (۴)

۶/ دسمبر ۱۹۹۲ء کا دن ہندوستانی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہے، جس دن فسطائی طاقتوں نے اللہ کا گھر (بابری مسجد) شہید کر کے نہ صرف جمہوریت کا جنازہ نکالا ہے۔ بلکہ اس ملک کے جمہوری نظام کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی، ان کی آبرو ریزی کی اور ان کی املاک کو تہس نہس کیا۔ اور یہ سب کچھ حکومت وقت کی سرپرستی میں ہوا۔ اور اب بھی ہو رہا ہے۔ پورے ہندوستان (مراد آباد، فیض آباد، کانپور، سہارن پور، بھاگل پور، جے پور، جبلپور، میرٹھ، ملیانہ، اندور، بھوپال، سہسرام، سیتا مڑھی، پٹنہ، ہزاری باغ، ہبلی، سورت، بستی، بدایوں، اجودھیا، بنارس، املنیر، مظفر نگر، بھیونڈی، مالیگاؤ، کرنیل گنج، گونڈہ، بہرائچ، بریلی، کلکتہ، مدراس، دہلی اور بمبئی جیسے شہروں) میں مسلمانوں پر ظلم و ستم اور جبر و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے، مگر حکومت کے کان تک مسلمانوں کی کراہ نہیں پہنچی۔ (۵)

آئے دن کے حوادث و تنازعات کی روشنی میں اس حقیقت سے اب کوئی باخبر انکار نہیں کر سکتا کہ، خاک ہند میں مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو، دینی آثار، خانقاہیں، مسجدیں اور مدرسے کوئی بھی محفوظ نہیں، کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کب اور کس جگہ اسلام دشمن شرپسند مسلمانوں کے مقدس مقامات اور گھر آنگن پر ہلہ بول دیں۔ اور پلک جھپکتے ہی صدیوں کا اثاثہ لمحوں میں خاکستر ہو جائے۔ حکومت ہند ہر معاملہ سے باخبر رہتے ہوئے بھی مسلم مسائل میں ہمیشہ، مفلوج، بے خبر اور بے اثر نظر آتی ہے۔ بابری مسجد کا زخم مندمل بھی نہیں ہوا تھا کہ چرار شریف کی ۶۵۰ سالہ درگاہ، مسجد بہت سارے آثار متبرکہ نذر آتش کر دیے گئے۔ (۶)

اس روش سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے قومی پریس یا

برادران وطن کو کوئی دل چسپی نہیں بلکہ انہیں دل چسپی صرف اس بات سے ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہب سے کس طرح بدظن و بدگمان کیا جائے اور اس کی بنیادوں پر کس ڈھنگ سے تیشہ چلایا جائے کہ ساری عمارت ٹوٹ پھوٹ کر زمین پر آگرے۔

انتظامیہ پر تو تعصب و تنگ نظری کا بادل چھایا ہوا ہے ہی، اب عدلیہ بھی غالباً مسلمانوں کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلنا شروع کر چکی ہے۔ اور اس کے فیصلے بھی اب طے شدہ فیصلوں کے تحت ہونے لگے ہیں۔ بابری مسجد کا معاملہ اس کا بالکل واضح اور کھلا ہوا ثبوت ہے۔ (۷)

ہم حکومت ہند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بابری مسجد اور چرار شریف کے تعلق سے کیے گئے اپنے وعدوں کی جلد از جلد تکمیل کرے۔ پوری دنیا میں ہندوستانی جمہوریت رسوا ہو کر رہ گئی ہے۔ پورے عالم اسلام میں حکومت ہند کے خلاف غم و غصہ کے اثرات ہیں۔ مسلمان ہندوستان کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ ان کے مسائل سے کھلواڑ کر کے ہندوستان دنیا کی نظر میں کبھی سرخ رو نہیں ہو سکتا۔ (۸)

زعماء و قائدین ملک و قوم کو یہ حقیقت ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ یہ خطۂ ارض مختلف تہذیبوں، تمدنوں، زبانوں، قوموں اور مذہبوں کا گہوارہ ہے۔ کشمیر سے کنیا کماری تک اس کی رنگا رنگی کے جلوے بکھرے ہوئے ہیں جس سے اس کا حسن اور زیب و زینت باقی ہے۔ اس کو باقی رکھنا اور پروان چڑھاتے رہنا ہر ایک کی ذمہ داری ہے۔ کسی گلدستہ کا ایک پھول بھی مرجھا کر بدرنگ و بدنما ہو گیا تو سارے گلدستہ کا حسن عیب دار اور داغ دار ہو جائے گا۔ (۹)

ہم اپنے تمام مسلم علماء اور ہندوستانی سیاست میں سرگرم ملی قائدین سے گزارش کریں گے کہ وہ کسی بھی معاملے میں عجلت پسندی سے کام نہ لیں۔ محدود مفادات کو قریب نہ آنے دیں، ذاتی اغراض و مقاصد کو بالائے طاق رکھیں۔ اور وسیع تر قومی و ملی تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہی اپنا ہر قدم آگے بڑھائیں۔ (۱۰)

جس طرح بابری مسجد کے اندر "رام جنم بھومی کا تصور" پیدا کیے جانے کے پس پردہ سیاسی اغراض و مقاصد کار فرما تھے، اسی طرح اسے عملی شکل دیے جانے کا واضح

مقصد بھی صرف اور صرف "ہندو راشٹر" کا قیام ہے۔ (۱۱)

بابری مسجد کو رام جنم بھومی ثابت کرنے والوں کا دعویٰ نہ صرف یہ کہ تاریخی شواہد کے اعتبار سے بالکل مہمل و بے بنیاد ہے بلکہ اس قسم کا شر انگیز اقدام و مظاہرہ ملکی قانون و دستور ہند کے بھی سراسر خلاف ہے۔ لیکن ہم اس قدر مجبور و بے بس ہیں کہ اس پر کھل کر صحیح معنوں میں اظہار خیال بھی نہیں کر سکتے۔

ملک میں مذہبی منافرت پھیلانے والوں اور فرقہ پرستوں کے موجودہ طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے "رام جنم بھومی" کے معاملہ کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ جس میں وہ کامیاب ہوکر مسلمانوں کو غالباً یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) کا ہندوستان میں کوئی تشخص نہیں۔ ہم (ہندو) اکثریت میں اور برسر اقتدار ہیں۔ اگر وہ (مسلمان) ملک میں رہنا چاہتے ہیں تو ہمارے رحم و کرم پر رہیں۔ (۱۲)

ماضی قریب میں مقدمۂ شاہ بانو اور مسئلہ بابری مسجد نے ملکی سیاست کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ہے۔ دہشت گرد عناصر کے حوصلے بڑھنے لگے ہیں اور وہ اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے پر تول رہے ہیں، فرقہ پرست سیاسی لیڈروں نے پورے ہندوستان میں مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست اشتعال انگیز ماحول پیدا کر دیا ہے۔ جگہ جگہ مسلمانوں کی جان و مال، اور ان کی عزت و آبرو پر حملے کیے جا رہے ہیں اور ان کی مساجد و مدارس کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

اس لیے مسلمانان ہند کو پورے ہوش و حواس اور عقل و شعور کے ساتھ اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کرنا چاہیے۔ تاکہ انتخابی جنگ جیت کر جہاں اپنے ووٹوں کی اہمیت منوا سکیں۔ وہیں وہ حکمراں پارٹی کو اس بات پر مجبور کر دیں کہ ان کے اقلیتی حقوق کے تحفظ اور جائز مطالبات کی تکمیل کے بغیر کسی قیمت پر ان کی حکومت پائیدار نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آئندہ وہ دوبارہ برسر اقتدار آسکتی ہے۔ (۱۳)

ہندوستان کی فرقہ پرست طاقتیں آگ اگل رہی ہیں، کھلے عام مسلمانوں کے خلاف اسلام کے خلاف، نفرت کا ماحول بنا چکی ہیں۔ اخبارات نشتر لگا رہے ہیں، مسلمانوں کی مساجد، مدارس، خانقاہ، قبرستان، مکان اور دوکان سب ہی خطرے کے نشانے پر ہیں۔

ستمبر ۸۹ء کے آخری ہفتے میں بدایوں سے چلنے والی ایک ٹرین کو روک کر تقریباً دوسو مسلمانوں کو لاٹھی، بلم، اور کدال، پھاوڑے سے شہید کر دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد اندور کے ایک جلوس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ و سلم پر حملہ کر کے تقریباً بیس مسلمانوں کے شہید کر دیا گیا، کشمیر، پنجاب، حیدرآباد، گجرات، کرناٹک، تملناڈو، یوپی، بنگال، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، بہار اور آسام غرضیکہ ہندوستان کا کوئی بھی صوبہ ایسا نہیں جہاں مسلمانوں کو شکست و ریخت سے دو چار نہ ہونا پڑا ہو۔

۲۴/ اکتوبر ۱۹۸۹ء سے بہار میں کشت و خون کا سلسلہ جاری ہوا، مونگیر، ہزاریباغ، سہسرام، دربھنگہ، سیتا مڑھی کے علاوہ صرف بھاگل پور میں ایک مکان کے اندر محصور تقریباً ڈیڑھ سو مسلمان جو پولیس کی نگرانی میں تھے، انہیں نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ اور دیگر درجنوں مسلم آبادیوں کو بھی جلاکر خاکستر کر دیا گیا۔

صرف بھاگل پور شہر میں مسلمانوں کی ۱۳۰۷ دوکانیں لوٹی گئیں اور جلائی گئیں، ۸۷۶ مسلمان مرد و عورت شہید کیے گئے۔ ۲۴ مسجدیں، دس مزارات، چھ امام باڑے، نو دینی مدرسے اور بے شمار مکانات مسمار کیے گئے، قرآن کریم، اور دیگر دینی کتابیں نذر آتش کی گئیں، بہت سی ماں بہنوں اور بہو بیٹیوں کی عزت و عصمت کو تار تار کیا گیا۔

بھاگل پور کے فساد کا ذکر کرتے ہوئے علامہ ارشد القادری لکھتے ہیں کہ " یہ بلوہ نہیں تھا بلکہ پچاس ساٹھ کلو میٹر کے خطے میں بھانت بھانت کے ہندوؤں کی ایک مہا بھارت تھی، جو دور دراز علاقوں سے مسلمانوں کی نسل کشی کے لیے جمع ہوئے تھے، اس فساد میں دو ہزار سے زائد مسلمان قتل و شہید کیے گئے، اور مجموعی طور پر مالی نقصانات کا تخمینہ کسی طرح بھی ایک ارب سے کم نہیں ہے۔" (۱۴)

پھر لکھتے ہیں :۔ ضلع بھاگل پور، امر پور تھانے میں شاہ کنڈ اور سنگرام پور کے درمیان بگرا نامی ایک بستی ہے جس میں پندرہ بیس گھر مسلمانوں کے بھی تھے۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو اس بستی پر بھی بلوائیوں نے حملہ کیا اور گھروں میں گھس گھس کر مسلمانوں کو قتل کرنے لگے۔ مریم نامی ایک حاملہ عورت اپنے گھر سے جان بچاکر بھاگی اور ایک راجپوت کے گھر میں گھس گئی۔ خوف و دہشت کے مارے اسے بچہ بھی وہیں تولد ہوگیا۔

مسلمانوں کے محلے کا صفایا کرنے کے بعد چھپے ہوئے مسلمانوں کو تلاش کیا جانے لگا، چنانچہ مریم کی ماں نے اپنے اس نومولود نواسے اور مریم کے بیٹے کو آنچل میں لپیٹا اور بھاگنے کی کوشش کی، ساتھ میں مریم اور چھ سات سال کا دوسرا لڑکا بھی تھا۔ جب یہ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر چکسیا گاؤں کے پاس پہنچیں تو ایک بلوائی نے انہیں گھیر لیا۔ اور نومولود بچے کو بوڑھی عورت کی گود سے چھین کر اسے دھان کے کھیت میں پھینک دیا۔ اور چھ سات سال والے لڑکے پر تلوار چلائی جو اس کی کنپٹی کو چھیلتی ہوئی زمین پر گر پڑی، اتفاق کہ اسی کے ساتھ وہ بلوائی بھی کھیت میں گر پڑا، موقع پاکر وہ عورتیں گنے کے کھیت میں گھس گئیں اور چھپ چھپا کر کسی طرح غریب پور نامی مسلم آبادی میں پناہ لی۔ مگر مارے خوف و دہشت کے نومولود بچہ کو دھان کے اسی کھیت ہی میں چھوڑ دیا۔ وہ بچہ رات بھر بغیر دودھ کے تقریباً ۲۶ گھنٹے اسی دھان کے کھیت میں زندہ پڑا رہا۔ ایک رحم دل ہندو انسان نے دیکھا تو اٹھاکر اپنے گھر لے گیا۔ اس کی بیوی نے بچہ کو گرم پانی کے کپڑے سے پونچھا دیا، اپنا دودھ پلایا، اور سلا دیا۔ دو تین دن ادھر ادھر پتہ لگا کر معلوم ہوا کہ یہ بچہ فلاں عورت کا ہے تو اسے حوالہ کر دیا۔ آج بھی وہ بچہ اسی بستی غریب پور میں خدا کی قدرت کا کرشمہ بن کر زندہ ہے، اور اس کا نام غازی صلاح الدین رکھا گیا ہے۔"

(۱۵)

انجمن تحفظ اہلسنت بنارس کے وفد نے ۲۳/ دسمبر ۱۹۸۹ء کو بنارس سے پٹنہ سفر کیا اور علامہ ارشد القادری کو ہمراہ لے کر بھاگل پور اور قرب و جوار کا دورہ کرکے عوام و خواص سے اہم معلومات فراہم کیں اور مظلوم مسلمانوں کو امداد پہنچائی۔ اسی وقت یہ وفد گوپال پور کینتھا پہنچا تو وہاں کے ستم رسیدہ مسلمان وفد کو دیکھ کر رو پڑے اور جذباتی انداز میں شکریہ ادا کیا۔

وفد نے اس علاقہ کے گاؤں گاؤں کا دورہ کرکے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے جو مناظر دیکھے وہ بیان سے باہر ہیں۔ ایک بھی مسجد و مکان صحیح و سلامت نہیں ہیں، اب تک اخبارات کے ذریعہ جو کچھ معلوم ہوا وہ زیادہ سے زیادہ دس فیصد ہے۔ ۹۰ فی صد دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

بھاگل پور کے عوام اور ادارۂ شرعیہ بہار کے سروے آفیسر جناب وردی خان صاحب کے بیان کے مطابق ۲۳۵ گاؤں جلاکر خاکستر کر دیے گئے اور ۲، ہزار مسلمان بے گھر اور تقریباً چار ہزار چار سو مسلمان شہید کر دیے گئے۔ اب تک گیارہ سو شہداء کی ایف آئی آر درج کرائی جا چکی ہے۔ یا حسرتاہ!

ظالموں نے ۲۲ دن، چھ ماہ، ایک سال اور دو سال کے بچوں کے پیٹ میں ترشول گھونپ کر فضا میں بلند کیا اور بچوں کی ٹانگیں پھاڑ دیں۔ مسلم خواتین کے پستان کاٹ کر پھینک دیے، ان کی عزت لوٹ لی۔ اور مسلمانوں کا قتل عام کر کے لاشوں سے تالاب اور کنویں بھر دیے، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر گاؤں کے کنویں سے مسلسل لاشیں نکالی جا رہی ہیں۔

لوگائیں گاؤں کے ۱۲۳ مسلمانوں کو ذبح کر کے کنویں میں ڈال دیا گیا۔ پھر پیال اور مٹی سے بند کر کے کنواں زمین کے برابر کر دیا گیا۔ انہیں لاشوں میں ایک عورت کی لاش اس حالت میں نکلی کہ وہ اپنے ننھے سے بچے کو سینے سے لگا کر دبائے ہوئے تھی، ہر چند بچہ کو الگ کیا گیا مگر بچہ الگ نہ ہوا۔

انجمن تحفظ اہل سنت بنارس کا وفد شہر بھاگل پور اور آس پاس کے گاؤں کے مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے مناظر دیکھتا جا رہا تھا اور آنکھیں آنسو بہاتی جا رہی تھیں۔ چندیری کے دورے میں دیکھا گیا کہ عجیب "ہو" کا عالم ہے، پختہ مکانات اب بھی تباہ و برباد موجود ہیں مگر رہنے والا کوئی نہیں، ایک مکان میں چھوٹے چھوٹے بچوں کے مٹی کے کھلونے ہیں مگر ان سے کھیلنے والے بچے اب روئے زمین پر موجود نہیں۔

مکرم ڈیہہ کے بارے میں بتلایا گیا کہ جب قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوا، اور گاؤں خالی ہو گیا۔ تو ایک چھ سال کی بچی زلیخا کو پکڑ لیا گیا اور مسجد کے مصلے پر مسجد کے دروازہ و کھڑکی کو توڑ کر جلایا پھر اسی دہکتی ہوئی آگ میں اس چھ سال کی کمسن زلیخا کو ڈال دیا۔ اور انسانیت کا مذاق اڑانے والے یہ ظالم ہندو مسجد سے اس وقت تک نہیں ہٹے جب تک کہ بچی جل کر راکھ و خاک نہ ہو گئی۔

سبحان پور کی ایک عورت کی گود سے بچہ کو چھین کر اسی کے سامنے ترشول گھونپ

کر فضا میں بلند کر کے پٹک دیا۔ اس عورت نے اپنے اس شہید بیٹے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور کٹوریہ کی طرف بھاگی، اس نے بچہ کو ۳۶ گھنٹہ تک اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ کٹوریہ کے مسلمان ہر چند اس شہید بچے کو دکھیاری عورت کی گود سے چھڑاتے رہے مگر ماں کی ممتا اسے چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔ بڑی مشکل سے بچے کو الگ کر کے دفنایا گیا۔ (۱۶)

سہسرام میں ۱۷/۱ اگست ۸۹ء کے فساد کی آگ ابھی مکمل طور پر ٹھنڈی بھی نہ ہونے پائی تھی، اور لٹے پٹے مسلمانوں کی سسکیوں کا سلسلہ ابھی ٹوٹنے بھی نہ پایا تھا کہ ۶/نومبر ۸۹ء کی شام کا دھندلکا ایک مرتبہ پھر شیر شاہ کی نگری، سہسرام کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی تاریخی روایات پر چھاتا چلا گیا، حکومت کی غلط پالیسیوں نے شرپسندوں کی مکمل حوصلہ افزائی کی، اور بلوائیوں نے کھل کر مسلمانوں کے مال وجان اور ان کی عزت و آبرو پر نقب زنی کی، مسلمانوں کی چھوٹی بڑی ۲۲۵ دوکانوں کو لوٹ کر نذر آتش کر دیا گیا، اور ۵۶ مکانات تقریباً چٹیل میدان کی شکل اختیار کر چکے ہیں، خانما برباد مسلمان آج کھلے آسمان کے نیچے بے سہارا زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ (۱۷)

سہسرام کے فساد میں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے لیے ہندو عوام، اور ہندو نیتاؤں کے ساتھ پولیس بھی شریک رہی، ۶/نومبر ۱۹۸۹ء کو ایک لاکھ ہندو شہر میں جمع ہو گئے، جو ٹریکٹر پر ہتھیار اور پٹرول کے ڈرام لائے ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے گھروں اور دوکانوں میں آتش زدنی اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ دوسرے دن ۷/نومبر کو دوپہر سے کرفیو نافذ کر کے مسلمانوں کو گھروں میں بند کر دیا گیا اور درندوں کو پوری چھوٹ دے دی گئی۔ دو دن کی غارت گری میں مسلمانوں کی سو سے زائد دوکانیں اور چالیس سے زائد مکانات پولیس و ہندو لیڈروں کی نگرانی میں بڑے اطمینان سے لوٹے گئے۔ جلائے گئے، جو مسلمان شہید ہوئے جنت نصیب ہوئے جو بچ گئے انہیں چن چن کر پس زنداں کیا گیا۔ اس فساد میں مالی نقصانات کا تخمینہ دس کروڑ بتلایا جاتا ہے۔ (۱۸)

مولانا شبنم کمالی فرماتے ہیں...... ماہ اکتوبر ۱۹۹۰ء کا نصف آخر اور نومبر ۹۰ء کا نصف اول پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے انتہائی کرب و اذیت کے ساتھ گزرا۔ دہلی، اترپردیش، راجستھان کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن صوبہ بہار کی

راجدھانی پٹنہ میں جو اس کے قبل کبھی نہیں ہوا تھا وہ ہو گیا۔

میرے رشتہ داروں کی ایک اچھی خاصی تعداد پٹنہ کے اس علاقہ میں رہتی ہے، جہاں کرفیو کا نفاذ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ لوگ زندہ اور محفوظ رہے۔ ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ " باہمی تصادم یا وقتی ہنگامہ آرائی سے اتنا نقصان نہیں ہوا جتنا کرفیو کے جاری ہونے کے بعد ہوا۔" عام طور سے یہی ہوتا ہے کہ کرفیو کے بعد کینہ پرور اور فتنہ انگیز سیاسی افراد غیر مسلموں کو شہ دے کر مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ ڈھانے لگتے ہیں۔ مسلمانوں پر کرفیو کا پورا ضابطہ جاری کیا جاتا ہے، لیکن غیر مسلموں کو کرفیو کے دوران مسلمانوں کے مکانوں اور دوکانوں کے لوٹنے کی پوری چھوٹ دی جاتی ہے۔ راتوں کے سناٹے اور خوفناک ماحول میں پٹنہ کے مسلمانوں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ جانی نقصانات سے کہیں زیادہ مکانوں اور دوکانوں کو لوٹ کر مسلمانوں کی معیشت کو مفلوج کرنے کی کوشش کی گئی۔ (۱۹)

مولانا یٰسین اختر مصباحی، مولانا عبیداللہ اعظمی، مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی اور چند دیگر لوگوں پر مشتمل ایک وفد نے ۸/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو کرنیل گنج ضلع گونڈہ اور قرب و جوار کا دورہ کیا اور یہ رپورٹ تیار کی۔

بھاٹن پوروہ جو کرنیل گنج سے چھ کلو میٹر دور ہے۔ اس پر تقریباً پانچ سو بلوائیوں نے حملہ کرکے وہاں کے سبھی اٹھارہ مسلم مکانات کو جلاکر خاکستر کر دیا ہے۔ مسجد کی دیواریں توڑ دی ہیں۔ مسجد سے متصل مدرسہ بقاء العلوم کو تہس نہس کر دیا۔ قرآن کریم کو جلایا، نور محمد عمر تیس سال جو بیمار تھے انہیں جان سے مار کر جلایا۔

رام سہائے پوروہ میں محمد حسن اور حاجی محمد یٰسین کی چکی اور کارخانہ نذر آتش کر دیا گیا، اور یہیں کے محمد حنیف ولد عیدو عمر چالیس سال کرنیل گنج میں شہید کر دیے گئے۔ انشاء پوروہ میں تین چار مسلمانوں کو زخمی کر دیا گیا، تیس مکانات پھونک دیے گئے جو سب مسلمانوں کے تھے۔

تیلن پوروہ کھجوریا میں دس مسلم گھر تھے جو جلا دیے گئے۔ اسی طرح پالہا پور تیلن پوروہ میں پندرہ گھر مسلمانوں کے تھے جنہیں جلا دیا گیا، پالہا پور تیلن پوروہ کی مسجد جو زیر

تعمیر تھی گرادی گئی۔ یہ گاؤں کرنیل گنج سے بارہ کلومیٹر دوری پر ہے۔

مولانا مبارک علی جو اسی گاؤں کے ہیں اور جن کے بھائی اور چچا اس فساد میں شہید ہو چکے ہیں، انہوں نے یہاں کے شہدا کے یہ نام بتائے ہیں۔ شمس الدین ولد بشیر و عمر ۳۰ سال، محی الدین ولد ظاہر عمر ۳۵ سال۔ ننکو ولد سلیمان عمر ۲۵ سال۔ رشید الدین عمر ۴ ماہ۔ جمیل ولد محمد حجن عمر ۲۵ سال۔ اکبر علی ولد گھسیٹو عمر ۶۰ سال۔ سراج الدین ولد ظاہر عمر ۵۵ سال۔

اس گاؤں سے بھی آگے پٹھان پوروہ اور درزی پوروہ جس میں بالترتیب دس اور پانچ مکانات مسلمانوں کے ہیں، انہیں پھونک دیا گیا۔

ان سبھی گاؤں کے مسلمان ہمارے وفد کو دیکھ کر دھاڑیں مار کر رونے لگتے تھے، چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں نے اپنے زخموں کے نشانات دکھائے، جو انہیں لاٹھی، بلم، اور پھرسہ، سے لگے تھے۔ گھر کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ اور کھیتوں میں دوڑا دوڑا کر مارا گیا تھا، بڑے دلدوز مناظر دیکھنے کو ملے۔

ہمارا وفد جب بس اسٹاف کرنیل گنج پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہر طرف مسلمانوں کے جلے ہوئے مکانات اور دوکانیں ہیں۔ ویرانی و سراسیمگی کا عجیب عالم ہے۔ تھانہ کرنیل گنج کے بالکل سامنے مسلمانوں کے پچیس تیس جلے ہوئے مکانات، دوکانیں اور جھونپڑے ہیں۔ یہیں عبدالعزیز انصاری کے گھر کے آٹھ نو آدمی شہید کیے گئے۔ عبدالشکور کا سارا گھر جلا دیا گیا۔ سرکاری اعداد و شمار کے علاوہ وفد کے سامنے ہی مسلمانوں نے زمین کھودا تو نو انسانی ڈھانچے بر آمد ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کے کہنے کے مطابق اسی جگہ کے اٹھارہ شہداء کی تعداد مکمل ہو گئی۔ جس کو انتظامیہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مسلمانوں نے بتایا کہ فساد کے وقت تھانہ میں اگر کوئی مسلمان پناہ لینے بھاگتا تو اسے وہیں مار ڈالا جاتا تھا۔ اور یہ سارا حادثہ پولیس کی نگرانی ہی میں ہوا۔

یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج میں جب ہمارا وفد پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی عمارتوں پر گولیوں کے نشانات ہیں پولیس نے اندر گھس کر مدرسین و طلبہ کو زد و کوب کیا۔ اسٹاف کے چار آدمی، سات مدرسین اور ستاون طلبہ اب بھی گرفتار ہیں۔

جس جلوس کی وجہ سے یہ سارا فساد ہوا اس کی قیادت بی جے پی کے سابق ایم ایل اے شری رام سنگھ اور موجودہ آزاد ایم ایل اے راجہ اجے پرتاپ سنگھ کر رہے تھے۔ اور مسلمانوں کے کہنے کے مطابق انہوں نے فساد کی بھی قیادت کی۔ (۲۰)

اس طرح کے اور بھی ہندوستان میں بہت سارے شہر و گاؤں ہیں جہاں مکان و دوکان کو لوٹ لیا گیا۔ بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کا قتل عام کر کے جلا ڈالا گیا۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک حتیٰ کہ عورتوں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ بلکہ جسے جہاں پایا گیا قتل کر کے کنویں وغیرہ میں ڈال دیا گیا۔

یہ تو فقط وہ چند خونیں داستانیں ہیں جو ہماری آنکھوں اور کانوں تک پہنچیں، ورنہ ان سے کہیں زیادہ وہ واقعات و حکایات ہیں جو ہندوستانی جمہوریت کے تابوت میں دفن ہو چکے ہیں۔

برادران اسلام! آج ہمارے ملکی حالات اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمیں اس بات پر غور کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑ رہا ہے کہ، ان حالات میں ہمیں کیا اقدامات کرنے ہیں۔ طاقت کے بل بوتے پر خود اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کا پاس و لحاظ نہ کرتے ہوئے ان کی دھجیاں بکھیر دینا، جھوٹ، دغا، فریب اور مکر کے ذریعے ہماری قومی و ملی املاک پر قبضہ جما لینا، روز کا معمول بنتا جا رہا ہے۔ خون مسلم کی ارزانی بڑھتی جا رہی ہے۔ اور زبان سے یہی نکلتا ہے؂

ہائے مسلم کہ تری ہند میں ایسی تقدیر؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام و مسلمانوں کے خلاف باطل پرستوں کی منظم جماعتیں مسلسل سازشیں رچنے میں لگی ہوئی ہیں۔ وندے ماترم پڑھنا ہوگا، پانچ وقتی چھوڑ کر رام رام جپنا ہوگا، ہندی، ہندو، ہندوستان، اردو، مسلم، قبرستان، جیسے دل خراش نعرے بھی ہمیں سننے پڑتے ہیں۔ لیکن ہم نے نہ کبھی اپنا احتساب کیا اور نہ ہی مقابلہ کے لیے سوچا۔

حالانکہ بہت ہی پہلے ڈاکٹر اقبال نے ہمیں زور دے کر آگاہ کیا تھا کہ؂

نہ سنبھلو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو !
تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

☆ابو ظفر فتح احمد بستوی مصباحی
۲۶/ جنوری ۱۹۹۶ء

اقتباسات و ماخوذات

۱۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۸۹ء ص ۴/۳
۲۔ از مبارک حسین مصباحی		ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	جون ۹۵ء ص ۳
۳۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۸۹ء ص ،،
۴۔ از سید جمال الدین اسلم		ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	دسمبر ۹۵ء ص ۱۸
۵۔ از سید شاہد علی رضوی		ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	جنوری ۹۴ء ص ۳۴
۶۔ از مبارک حسین مصباحی		ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	جولائی ۹۵ء ص ۳
۷۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۸۹ء ص ۴
۸۔ از مبارک حسین مصباحی		ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور	جولائی ۹۵ء ص ۵
۹۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۸۹ء ص ۴
۱۰۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	مارچ ۹۰ء ص ۵
۱۱۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	دسمبر ۹۰ء ص ۳
۱۲۔ از نسیم بستوی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	جنوری/فروری ۹۱ء ص ۱۲۵
۱۳۔ از یسین اختر مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	مارچ ۹۰ء ص ۴
۱۴۔ از ارشد القادری مصباحی		ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۹۰ء ص ۵۰،
۱۵۔ از ارشد القادری مصباحی	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۹۰ء ص ۵۹/۵۸
۱۶۔ از محمد حسین بہرائچی	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۹۰ء ص ۶۴/۶۳
۱۷۔ از ملک الظفر سہسرامی	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	مارچ ۹۰ء ص ،،
۱۸۔ از ارشد القادری	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	فروری ۹۰ء ص ۶۲
۱۹۔ از شبنم کمالی پوکھرپروی	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	جنوری/فروری ۹۱ء ص ۱۲۶
۲۰۔ از یسین اختر مصباحی	تلخیص	ماہنامہ حجاز جدید دہلی	نومبر ۹۰ء ص ۲، ۳،

مسلمانوں کی پسماندگی کا سبب

قوت فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
پھر کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

آج کے اس مادی دور میں جبکہ دیگر قومیں عروج و ارتقاء کا آسمان چھو رہی ہیں۔ کہکشاں پر کمندیں ڈال کر چاند کی دھرتی کو پامال کر رہی ہیں۔ ہواؤں میں راکٹیں دوڑا رہی ہیں۔ اور فضا کی وسعتوں کو سمیٹ کر اپنے قدموں سے روند رہی ہیں۔ ہم ہندوستان کے کروڑوں مسلمان پستی و رسوائی کے اندھیرے غار میں بھٹک رہے ہیں۔

آج ہمارے حالات ناگفتہ بہ و تکلیف دہ ہیں۔ اور جو قوم دنیا میں سب سے بہتر بنائی گئی وہی قوم ذلت و خواری اور پسماندگی کی تہ میں گر چکی ہے۔ صراط مستقیم سے ہٹ کر طرح طرح کے مصائب و آلام اور نامساعد حالات میں پھنس چکی ہے۔ اور ہماری اس پسماندگی و ذلت و خواری کا واحد سبب تعلیم قرآنی سے انحراف اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کا فقدان ہے۔

حالانکہ اسلامی دستور حیات کی پہلی "دفعہ" تعلیم ہی سے متعلق ہے۔ فلاح و نجاح اور کامیابی و کامرانی کے لیے قرآن پاک کے احکام کی پوری پوری اتباع و پابندی شرط اول ہے۔ قوم و ملت کی خوش بختی و فیروز مندی کا انحصار صرف اور صرف تعلیم قرآن اور صاحب قرآن کے مقدس ارشادات کے ذوق و شوق عمل پر مبنی ہے۔ اور اس سے دور رہنا قوم و ملت کے ہر فرد بشر کے لیے قعر ذلت میں اوندھے منہ گرنا اور انحطاط و پستی کا

مول لینا ہے۔

قرون اولیٰ میں ملت اسلامیہ نے قرآن و صاحب قرآن کو اپنی تمام تر زندگی کا سرمایہ سمجھا تھا اسی وجہ سے وہ جماعت رشک جناں تھی۔ فائز المرام اور کامیاب تھی، دوسری قوموں پر اس کے تزک و احتشام اور جاہ و جلال کا غلبہ تھا، اقبال مندی اور ارفع واعلیٰ ترین منزلیں اس کے قدموں سے وابستہ تھیں۔

یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر سارے عالم میں معزز و مکرم تھے، بڑے بڑے بادشاہوں کے تخت و تاج ان کی ٹھوکروں میں تھے۔ پوری دنیا میں ان کے رعب و دبدبہ اور شوکت و سطوت کا پرچم لہراتا تھا۔ بڑے بڑے سورما ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ ایک ہی نعرۂ تکبیر سے پہاڑوں کے دل لرز جاتے تھے۔ ہر میدان میں فتح و نصرت ان کے قدموں کا بوسہ لیا کرتی تھی۔ عزت و عظمت ان کی لونڈی اور غلام تھی۔

لیکن آج ہماری پسماندگی و تنزلی کا سبب صرف یہ ہے کہ ہم نے تعلیمات قرآنی اور احکام خداوندی سے روگردانی کرلی ہے۔ اور جس دور میں بھی جس کسی قوم نے تعلیمات قرآنی سے اجتناب و احتراز کیا اسے قعر مذلت اور انحطاط کی کھائی میں گرنا پڑا۔ اور وہ قوم پستی و گمنامی کی اس آخری حد کو پہنچ گئی جہاں سے کسی قوم کو بھی عروج و عظمت کے نگار خانوں کی طرف لوٹتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ہم مسلمانوں نے قرآن و حدیث کی مقدس تعلیمات کو بھلادیا اور یہود و نصاریٰ، کفار و مشرکین کے طریقوں پر چل پڑے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ذلت و خواری، تباہی و بربادی، رسوائی و شکست خوردگی اور ہلاکت و پسماندگی ہماری تقدیر بن گئی۔ اور دنیا میں ہم سب سے پچھڑے، رذیل، بے یار و مددگار، اور ذلیل و خوار سمجھے جانے لگے۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر

اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

مسلمان کسی حقیر چیونٹی کا نام نہیں، جسے طاغوتی طاقتیں پاؤں تلے مسل ڈالیں۔ بلکہ

مسلمان ایک ایسی آہنی چٹان ہے جس سے ٹکرانے والی ہر طاقت و قوت پاش پاش ہو جایا کرتی ہے۔ لیکن آج ! ہم کام کے نہیں بلکہ صرف نام کے مسلمان ہیں اسی لیے یہ مشکل حالات ہیں۔ نام تو ہمارا مسلمان ہے مگر نوے فی صد ہمارے افعال شیطانی ہیں۔ انصاف کی عینک سے ذرا ماحول کا جائزہ لیں تو ہمارا ضمیر خود ہی گواہی دے گا کہ آج ہم صرف نام کے مسلمان ہیں کہ نہیں ؟ کیونکہ"

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

آج مسلم سماج ہزارہا برائیوں اور ہلاکت خیز بد اعمالیوں کا شکار ہو کر گناہوں کے سمندر میں ڈوب گیا ہے اور غفلت کے شبستاں میں خواب خرگوش کا لطف اٹھا رہا ہے۔ برائی ایک ہو تو اس کا ذکر کیا جائے۔ آج تو ہر ذلیل کام کا سردار مسلمان ہے۔ ہر رذیل حرکت کا موجد مسلمان ہے۔ شراب نوشی ہمارا کام، رشوت خوری ہمارا فعل، جوئے بازی ہمارا عمل، ویڈیو فلم سے ہماری دل چسپی، ناچ گانا ہمارا شیوہ، گالی گلوج ہمارا خاصہ، غیبت و چغلی ہمارا نشان، جھوٹ و زنا ہمارا وطیرہ، غرضیکہ جملہ برائیاں ہماری علامت و فطرت بن چکی ہیں۔

انہیں وجوہ کی بنا پر مشہور مغربی مفکر "جارج برناڈ شا" نے اپنی کتاب "اسلام اور مسلم" میں لکھا تھا کہ دنیا کا سب سے اچھا مذہب اسلام اور دنیا کی سب سے بدتر قوم مسلمان ہے" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آج ہم جس عذاب و بلائیں گرفتار ہیں یہ سب ہمارے ہی افعال و کردار کی سزا ہے۔ ماضی میں ہماری کیا حیثیت تھی اور آج ہماری کیا پوزیشن ہے ؟

مسلمانوں کے دور عروج میں زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں تھا جو تحقیق و ترقی سے محروم رہا ہو۔ علوم و فنون میں ان کو بے پناہ دسترس اور مہارت تامہ حاصل تھی۔ مگر آج ہم مسلمانوں میں ہر چہار جانب زوال و انحطاط، ناخواندگی و شکست خورگی، اور پسماندگی و سراسیمگی کا عجیب عالم ہے اور ہماری اس پسماندگی و ذلت و خواری کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے تعلیمات قرآن اور اللہ و رسول کے فرمان سے منہ موڑ کر دشمن انسان مردود شیطان

سے رشتہ جوڑلیا ہے۔

اگر ہم آج بھی ان تمام غلط اور نازیبا حرکتوں سے باز آکر احکام شرعیہ پر اچھی طرح عمل کرنا شروع کردیں تو خدا کی قسم ہم کو پھر وہی عزت و شرافت، عظمت و بلندی، عروج و ارتقاء اور شان و شوکت حاصل ہو سکتی ہے جیسی کہ عہد ماضی میں تھی۔

اگر ہم اپنے تابناک ماضی کی طرف پلٹ کر اپنی بنیادوں کو اجاگر کریں تو انشاء اللہ العزیز عہد رفتہ کی بہاریں پھر واپس آسکتی ہیں۔ ہمارے مرجھائے ہوئے چہرے پھر شاداب ہو سکتے ہیں۔ ہمارا آفتاب اقبال مطلع عالم پر پوری آب و تاب کے ساتھ پھر نمودار ہو سکتا ہے۔ ہماری پسماندگی و خواری پھر عزت و ترقی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے شرط ہے کہ ہمیں خود کو بدلنا ہوگا اور اللہ و رسول کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہوگا۔ کیونکہ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم (اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ اپنی حالت وہ خود نہ بدل لے)[۳]

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ملک کے ہنگامی حالات اور ان کا مقابلہ

رہے یونہی اگر حالات اپنے ملک و ملت کے
تو اک دن دیکھ لینا آخرش انجام کیا ہوگا

ہمارا پیارا ہندوستان جسے ایک جمہوری، سیکولر اور امن پسند ملک سمجھا جاتا رہا۔ آج کی اس کی تاریخ کا دامن تار تار نظر آرہا ہے۔ غرور اقتدار اور فرقہ پرست عناصر، انسانیت کی بے گور و کفن لاشوں پر اپنی بالا دستی کے جھنڈے گاڑ رہے ہیں۔ ہر چہار جانب جہالت و توہم پرستی اور منافرت و فرقہ واریت کا دور دورہ ہے۔ عداوتوں، نفرتوں کا ٹکراؤ اور تعصب و تنگ نظری کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ ہر طرف سے نفرت و بے اعتمادی نے محصور کر رکھا ہے۔ ہم آہنگی و یکجہتی مر چکی ہے۔ اتحاد و یگانگت عنقا ہو کر رہ گئے ہیں۔ جبر و تشدد، ظلم و زیادتی اور سفاکی و درندگی کا ننگا ناچ ناچا جا رہا ہے۔ کرفیو، دفعہ ۱۴۴ اور گرانی و رشوت خوری نے لوگوں کی کمر توڑ دی ہے۔ سسکتی ہوئی آہیں اور گھٹتی ہوئی فریادیں فضاؤں میں تحلیل ہو کر رہ گئی ہیں۔ قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی داستانیں دل چسپ کہانیاں بن کر رہ گئی ہیں۔ ہر آن یہی خوف اور دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے۔ حتیٰ کہ ہر شخص اپنے سایہ اصلی سے بھی ڈرنے لگا ہے۔

کیونکہ یہاں کسی کو شدید زخمی کر دینا، مال و اسباب لوٹ لینا، عزت و آبرو کو نیلام کر دینا، یا کسی کو موت کے گھاٹ ہی اتار دینا ایک عام سی بات ہو کر رہ گئی

ہے یا امن و قانون اور انسانیت کے نام نہاد محافظوں کو ان کی طرف متوجہ کرتا ہے تو وہ خود بے چارہ ان ٹھیکیداروں کی نگاہ میں مجرم بن جاتا ہے۔ اخوت و مروت، وفاداری و دیانت داری یکسر ختم ہو چکی ہے۔ تہذیب و تمدن کو لوگوں نے دفن کر دیا ہے۔

البتہ! فضول خرچی، جوئے بازی اور شراب نوشی وغیرہ میں اپنا مال و متاع لٹا دینا فخر کی بات ہو گئی ہے۔ ٹی وی، ویڈیو اور رقص و سرور کی محفلوں کے لوگ گرویدہ ہو گئے ہیں۔ کلبوں، بیر باروں، قحبہ خانوں اور فلم تھیٹروں کو لوگوں نے اپنی جائے سکون بنا لیا ہے۔ عبادت گاہوں کی تعمیر و ترقی اس کی حفاظت و صیانت تو درکنار لوگ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ بلکہ اسے ویران و مسمار کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ بڑوں اور چھوٹوں کا فرق مٹ چکا ہے۔ بہن، بھائی کا ادب و احترام دم توڑ رہا ہے۔ والدین کے ساتھ ناروا سلوک اور برا برتاؤ فعل حسن سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ عریانیت و فحاشی اور دیگر برائیوں کا پانی سر سے اونچا ہوتا چلا جا رہا ہے اور انانیت عصبیت نے ملک و مذہب اور سماج و معاشرہ کو تباہی کے دہانے پر لاکر کھڑا کر دیا ہے۔

یہ فرقہ وارانہ فسادات جو ملک و مذہب کے لیے سوہان روح ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت تک بڑھتے اور ملک و مذہب کی بیخ کنی کرتے رہیں گے جب تک کہ بساط سیاست پر کھیلی جانے والی شطرنج کی چالوں کے ماہرین ان فرقہ پرست عناصر کے ساتھ ہاتھ ملاتے رہیں گے جن کے منصوبے بہت ہی بھیانک اور دلآزار ہیں۔ اور جو ملک و مذہب کے استحکام و سالمیت نیز ہم آہنگی و یکجہتی کو پامال کرنے کے درپے رہتے ہیں۔

سچ پوچھیے تو........ ملک سے فرقہ واریت اور دیگر برائیوں کے خاتمہ اور آزاد و خوش حال معاشرے کی تشکیل کی ذمہ داری لازمی طور پر صحافیوں، قومی پریسوں، سیاست دانوں، ارباب حکومت، عمائدین ملک، قائدین ملت، دانشوران قوم، علمائے دین اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی ہے۔ جس سے وہ انکار نہیں کر سکتے۔

لہذا اس مقصد کے حصول، ملک کی تعمیر و ترقی، اہل وطن کے اتحاد و استحکام اور ہم آہنگی و یکجہتی کے مفاد میں اندرون ملک مختلف گروپوں اور طبقوں کے درمیان جملہ اختلافات و خرافات کے خاتمہ کے لیے تمام مذہبی، ملکی، قومی، سیاسی، سماجی، معاشی اور

معاشرتی طاقتوں اور اداروں کو متحد ہونا ہوگا۔

قانون ساز اراکین، انتظامیہ، عدلیہ اور پریس کو مل کر چلنا ہوگا۔ ملکی اداروں، قومی تعلیم گاہوں اور مذہبی درس گاہوں کے نظام و نصاب کو سدھارنا ہوگا۔ قومی پریسوں کو تھوڑی سی لالچ اور سیاسی جماعتوں کو وقتی مصلحت کے پیش نظر فرقہ پرست عناصر کی سرپرستی اور ان کی مجرمانہ سرگرمیوں پر خاموشی چھوڑنا ہوگی۔ ساتھ ہی ساتھ عوام الناس اور ہر ہندوستانی کو بھی تعصب و تنگ نظری کے خول سے باہر نکلنا ہوگا۔

اسی طرح فرقہ وارانہ فسادات ہنگامی حالات، جہالت و توہم پرستی اور غیر مہذب حرکات وغیرہ کو ختم اور ان کا قلعہ قمع کرنے کے لیے عورتیں بھی بے حد موثر کردار ادا کرسکتی ہیں..... کیونکہ..... نسل انسانی عورتوں کی ہی گود میں پروان چڑھتی ہے۔ آغوش مادر ہی ایک ایسی عمدہ اور بہترین تربیت گاہ ہوا کرتی ہے کہ اگر اس ابتدائی اور بنیادی درسگاہ میں بچوں کی صحیح تربیت و پرورش ہو جائے تو لوگ فرقہ پرستی و جہالت و بدکرداری وغیرہ سے اپنے آپ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائیں۔

ایسے ہی ان تمام سنگین حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو سب سے پہلے اپنا "محاسبہ عمل" کرنا چاہیے۔ کیونکہ انسان جب تک اپنے ہی اندر چھپے ہوئے عفریت و نفس امارہ کو فنا نہیں کردے گا دوسروں کے دلوں میں دہکتی ہوئی آگ کو بھی نہیں بجھا سکے گا۔

یوں ہی ان فرقہ وارانہ فسادات اور جملہ بری باتوں پر قابو پانے نیز ہنگامی حالات کا مقابلہ و دفاع کرنے کے لیے بنیادی طور پر انسان کو اپنے نفس اور دل دماغ پر قابو پانا ہوگا۔ کیونکہ انسان جب تک اپنے ہی نفس، دل ودماغ اور نظر و فکر پر قابو نہیں پائے گا اس وقت تک ان تمام باتوں پر قابو پانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مانو نہ مانو آپ کو یہ اختیار ہے
ہم نیک و بد جناب کو سمجھائے جاتے ہیں

انسانیت زندہ باد

شہر کی عام شاہراہ ویران و سنسان، ہر طرف ہو کا عالم، سڑک پر بوتلوں اور پتھروں کا انبار، ٹوٹی پھوٹی دو کانیں، اجڑے ہوئے مکانات، ہر طرف خون کے دھبے اور چھینٹے ان میں ایک نوجوان کی خون سے لت پت لاش جو انسانیت کو منہ چڑھا رہی ہے اور جس کے خون سے گلی کوچہ کے آوارہ کتے اپنے منہ کا مزہ بدل رہے ہیں۔

مارنے والے کا پتہ نہیں مگر مقتول کے جسم پر جو زخموں کے کئی نشانات ہیں وہ زبان حال سے کہہ رہے ہیں کہ او ظالم! تو نے صرف ایک جسم کو نہیں ختم کیا ہے بلکہ کئی رشتوں کا خون کیا ہے۔ اس لیے کہ جب ایک انسان مرتا ہے تو اس کے کئی روپ موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔

یقیناً یہ نوجوان بھی کسی کا بیٹا تو کسی کا باپ رہا ہو گا۔ کسی کا چچا تو کسی کا بھتیجہ بھی ہو گا، کسی ماں کا لال تو کسی خاتون کا شوہر بھی ہو گا، کسی بہن کا بھائی تو کسی بھائی کا سہارا بھی ہو گا۔ مگر آہ! یہ تم نے کیا کیا؟

بوڑھے باپ کے عصائے پیری کو توڑ دیا؟ ماں کے کلیجے کو چیر دیا؟ سہاگن کے سہاگ کو لوٹ لیا؟ بہن بھائی کے سکون کو غارت کر دیا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانیت کو تاراج کر کے نہ جانے کتنی ننھی ننھی جانوں کو تم نے اپنے ہاتھوں یتیم اور بے سایہ کر دیا؟

سڑک پر بوتلوں کے چور ایسے لگتے تھے جیسے کسی بیوہ کی چوڑیاں پھوٹی ہوں۔ خون کے دھبے ایسے لگ رہے تھے جیسے کڑیل جوان بیٹے کی موت کی خبر پا کر کسی ممتا کی ماری ماں کا دل پھٹ گیا ہو۔ پتھروں کے ٹکڑے گویا ابا ابا اور بھیا بھیا کہنے والوں کے منہ پر

اچانک پڑے ہوں اور سب کے سب خاموش ہو گئے ہوں۔ کیونکہ بیٹا مر چکا ہے، باپ مر چکا ہے، بھیا مر چکا ہے، سر تاج مر چکا ہے اور نہ جانے کتنے ہی رشتے مر چکے ہیں اور ان تمام رشتوں کو مارنے والے اپنے افعال و کردار سے "انسانیت مردہ باد" کے نعرے لگا رہے ہیں!

"انسانیت زندہ باد" کا نعرہ تو ہر مذہب لگاتا ہے۔۔۔ مگر ۔۔۔ یہ کون بے مذہب ہے جو انسانیت مردہ باد اور شیطانیت زندہ باد کا نعرہ لگا رہا ہے ؟ کون ہے جو بہو بیٹیوں کی عزت سے کھیلتا ہے ؟ مکانوں کو جلاتا اور دو کانوں کو لوٹتا ہے ؟ کون ہے جو انسانی خون سے اپنی پیاس بجھا کر خوش ہوتا ہے ؟ یقیناً وہ حیوان ہو گا کوئی انسان نہیں ہو گا، وہ کوئی مذہب پرست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ شیطان جو انسانیت کو نیست و نابود کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا ہم تمام انسان انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کریں اور ایسے شیطان ہی کو فنا کے گھاٹ اتار دیں جو انسانیت مردہ باد اور شیطانیت زندہ باد کے نعرے لگا رہا ہے۔ اور ہم سب برادران وطن میں خوف و ہراس پیدا کر رہا ہے۔

اسلام
منفی تحریکات۔ مثبت اقدامات

ہر دور جانتا رہا میرا وقارِ غم
ہر عہد میں مقابلِ طوفاں رہے ہیں ہم

اسلام ہر عصر میں مخالفتوں کے طوفان سے گزرتا رہا ہے۔ اس کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو کئی ایک ادوار ایسے ملیں گے جن میں مسلمانوں کے دین و ایمان کی سلامتی، بڑے حوصلہ شکن اور ہولناک خطرات سے دو چار نظر آتی ہے۔ شروع ہی سے مختلف تدابیر اور سازشوں کے ذریعہ روح اسلام کو کاری ضرب لگا کر اسے مضطرب و بے چین رکھنے کی پیہم کوشش کی جاتی رہی ہیں۔ اسلام دشمن طاقتوں نے ہر دور میں طرح طرح کے حربوں سے اسلام و مسلمین کو زندگی کے میدان سے بے دخل کردینے کی ناکام کوشش کی ہے۔

کبھی اسلام و غیر اسلام کے ادغام و انضمام کی تحریک چلی، کبھی حق و باطل کے مابین باہمی سمجھوتہ کی تلقین ہوئی، کبھی وحدۃ الادیان کا نعرہ لگا، کبھی اسلام میں ترمیم و تنسیخ کا مشورہ دیا گیا، کبھی بدعات و منکرات کو سنن و مستحبات کا نام دے کر پس پردہ کافرانہ و مشرکانہ معتقدات و اعمال و مراسم کی حوصلہ افزائی کی گئی، کبھی فرائض و واجبات پر حرام و ناجائز کا فتویٰ لگایا گیا۔ تاکہ اسلام کے امتیاز و تشخص کو مٹا کر اسے بے نام و نشان کر دیا

جائے۔ اور یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔ جس سے قلب و روح کے فطری جذبات مجروح و پامال ہو رہے ہیں۔

چاروں طرف اسلام کی بدخواہی کی زور دار آندھیاں چل رہی ہیں، اسلام مخالفت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہیں۔ بد دین عناصر اور اسلام دشمن تحریکیں اپنی حیلہ سازیوں اور ہماری غفلت شعاریوں کے سبب اسلام کے مذہبی اصلاحی، تبلیغی، اشاعتی، تہذیبی، اخلاقی تمدنی، ثقافتی، اقتصادی، معاشی، معاشرتی، سماجی اور سیاسی نظام و آداب اور اصول و ضوابط کو ناقابل عمل بنانے کی انتھک کوششیں کر رہی ہیں۔ گلشن اسلام کو خاکستر بنا دینے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔ اسلام و مسلمین کے خلاف دنیا بھر میں باطل پرستوں اور طاغوتی طاقتوں کی مختلف جماعتیں باہم متحد اور منظم نظر آ رہی ہیں۔ اسلام ان کا مشترکہ دشمن بنا ہوا ہے۔ جسے مٹانے اور نیست و نابود کر دینے کی سعی اور مسلمانوں کا مضحکہ اڑانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسلام پر سامراجیت و صیہونیت کے خوفناک سائے ہیں، خود اسلامی نام رکھنے والے ہی اسلام کی بیخ کنی پر تلے ہوئے ہیں۔ آئے دن تحریر و تقریر کے ذریعہ عالمی سطح پر اسلام و بانی اسلام کی شان میں بدترین گستاخیاں کر کے ہر محاذ پر مسلمانوں کو حیران و پریشان، مرعوب و مغلوب اور مجبور و محکوم بنانے کا سامان فراہم کیا جا رہا ہے۔ مجموعی طور پر اسلام کے لیے یہ بڑے خطرے کا وقت ہے۔

ایسے ایمان سوز، مذہب بیزار اور پرفتن دور میں شعائر اسلام کی حفاظت مذہب و سنیت کی اشاعت اور مسلمانوں کی دینی خدمت ہمارا اولین فریضہ ہے۔ ہمیں زمانے کے تیور، حالات کی نزاکت اور عالمی سیاست سے باخبر رہ کر اپنے اسلاف کے طریقہ و انداز سے تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کا کام بڑی سوجھ بوجھ اور باہمی مشورہ سے کرنا چاہیے۔ تاکہ اسلام کے تشخص کو نقصان پہنچنے اور مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ منتشر ہونے سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اگر ہم نے وقت کی اس دردناک چیخ پر توجہ نہ دی تو مستقبل میں ہماری نسلیں اسلام سے کتنی دور ہو جائیں گی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

اسلامی تاریخ کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ ہر قرن و زمانہ میں تحفظ دین فطرت اور اشاعت سنت کے لیے ایسی مقدس ہستیاں پائی جاتی رہی ہیں جنھوں نے اپنی دینی

خدمات، علمی جلالت، فکری بصیرت اور صالح قیادت سے اپنے عہد میں ایمان افروز مذہبی انقلاب برپا کیا۔ اور قرآنی ہدایت بھی یہی ہے کہ "اسلام کی راہ میں جد وجہد جاری رکھو تا آنکہ اسلامی دستور کی سیادت سب کو مسلم ہو جائے۔" کیونکہ اسلام ہی اللہ کا محبوب و پسندیدہ دین ہے اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلام کردار و عمل کا ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام روحانیت ہے۔ اسلام ایک آفاقی پیغام ہے۔ اسلام ایک خالص سچائی ہے۔ اسلام فطرت انسانی کے عین مطابق ہے۔ اسلام آسمانی قانون اور اللہ کا آخری و قطعی دستور ہے۔ اسلام کے اصول میں آج بھی وہی تاثیر پائی جاتی ہے جو ڈیڑھ ہزار سال پہلے تھی، اسلام میں زمانہ کے ساتھ سازگاری کا کوئی سوال نہیں۔ اسلام اپنا ماحول خود بناتا ہے۔ یہ ماحول کا پابند نہیں۔ اسلام کے ہم محتاج ہیں اسلام ہمارا محتاج نہیں، اسلامی نظام ہی انسانیت کی منزل ہے اسلام ہی نجات دہندہ ہے۔

اسلام اگرچہ آگے بڑھتا اور ترقی کرتا رہا اور انشاء اللہ آئندہ بھی تابندہ و پائندہ رہے گا۔ مگر اسلام دشمنوں کی چیرہ دستیوں، بد باطنوں کی تخریب کاریوں، اور منافقوں کی دخل اندازیوں سے اسلام کی راہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ مشکلیں اور رکاوٹیں ضرور پیدا ہوتی رہی ہیں۔ اسلام کو نقصان پہنچا اور پہنچ رہا ہے۔ مگر سب سے عظیم نقصان خود سواد اعظم اہل سنت وجماعت کے داخلی اختلاف و انتشار سے ہوا۔ انفرادی اور ذاتی مفاد کی خاطر مذہبی و اجتماعی مقاصد و فوائد کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجدیں بنا بنا کر اپنی نمائشی امامت سے مسلم جذبات کا استحصال کیا جاتا رہا۔ جس سے دین و مذہب اور قوم وملت کی تعمیر و تنظیم میں بڑی دشواریاں پیدا ہوتی رہیں۔ اور ہم انحطاط و تنزلی کا شکار ہوتے چلے گئے۔

برادران ملت اسلامیہ! علماء کرام و مشائخ عظام! اگر ہم اب بھی باہم مربوط و متحد ہو جائیں تو جو خرابیاں دین وملت کی رسوائی کا سبب بنی ہوئی ہیں ان کا قلعہ قمع ہو سکتا ہے۔ ہمارا کھویا ہوا وقار ہمیں واپس مل سکتا ہے۔ ہم قعر مذلت سے سطح وجاہت پر آسکتے ہیں۔ مگر..... اس کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم خود اپنی اصلاح و احتساب کریں اور دنیا کے سامنے اسلام کے صحیح خد وخال پیش کر کے خلوص و للہیت کے ساتھ مذہب کی

اشاعت کریں۔ خاص طور پر ملت اسلامیہ کے وسیع تر مفادات و مصالح کو سامنے رکھ کر ہی کوئی قدم اٹھائیں۔ تاکہ مستقبل میں پائیدار کامیابی حاصل ہو۔ اللّٰھم اعز الاسلام والمسلمین

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

مسلمان ملک کی شان

آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں کے علوم و فنون، زبان وادب، تہذیب و تمدن، تاریخ و ثقافت، نیز دین و مذہب کو غلط ڈھنگ اور دلآزار طریقہ سے پیش کرکے اور انہیں بھونڈی شکل و صورت دے کر مسلمانوں کے خلاف نہایت ہی گھناؤنی سازش رچی جارہی ہے اور ہندوستان جیسے مختلف المذاہب، سیکولر اور جمہوری ملک کو خالص "ہندو راشٹر" بنا دینے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے اور اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں کے جذبات کو تحریر و تقریر بالخصوص ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ بری طرح سے مجروح کیا جارہا ہے۔

حالانکہ ہندوستانی مسلمان ملک کی مجموعی آبادی کا پندرہ فی صد اور مذہبی اقلیتوں کا ۸۰ فی صد حصہ ہیں۔ ملک کی تعمیر و ترقی میں مسلمانوں کی بے شمار قربانیاں رہی ہیں۔ ہندوستان کو مسلمانوں پر ہمیشہ فخر و اعتماد رہا ہے۔ کیونکہ مسلمان ملک کی شان اور اس کی شوکت ہیں۔ ملک کی محبت اور آن بان کے لیے مسلمان اپنی عزیز جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ پھر بھی اسے آج غدار، فرقہ پرست، پاکستانی، سبز سانپ، جاسوس، دہشت گرد، وطن دشمن اور نہ جانے کن کن ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو سیاسی طور پر علیحدہ اور ثقافتی اعتبار سے نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اقتصادی سطح پر حیران و پریشان اور سماجی حیثیت سے ذلیل و خوار کیا جارہا ہے۔ اور وہ مذہبی و لسانی مسائل کی وجہ سے ذہنی الجھنوں کے جال میں الجھے اور پھنسے ہوئے ہیں اور کسی راہ کا تعین نہیں کر پا رہے ہیں کہ کدھر جائیں۔

ایسے حالات کا غلط فائدہ اٹھا کر سیاسی جماعتیں مسلمانوں کو اپنی جاگیر اور منہ کا لقمہ تر

سمجھ کر ہڑپ کر جانے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ اور موقع غنیمت جان کر الیکشن کے دوران صرف ووٹ حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کی طرف بھرپور توجہ اور عنایت کی نظریں مرکوز کی جاتی ہیں اور انہیں طفل تسلیوں نیز حسین وعدوں کے ذریعہ سنہرے خوابوں کے سبز باغ کی سیر کرائی جاتی ہے..... کیونکہ ..... تمام سیاسی پارٹیاں یہ جان چکی ہیں کہ مسلمانوں کو نظر انداز کر کے کوئی بھی سیاسی محاذ سر نہیں کیا جاسکتا ہے۔

پھر مطلب برآری اور الیکشن گزر جانے کے بعد اپنا الو سیدھا کر کے مسلمان لیڈروں اور رہنماؤں کو بھی فراموش کر دیا جاتا ہے۔ عام مسلمانوں کی طرف تو کوئی بھول کر بھی نہیں جھانکتا۔ سوائے پی اے سی کی گولیوں کے۔ جس کی وجہ سے آج مسلمانوں کی ترقی کی تمام تر راہیں بند اور مسدود ہو چکی ہیں۔

مسلمانو! یاد رکھو جب تک ہمارے اندر اجتماعی قوت و اتحاد نہیں ہو گا۔ ہمارا اسی طرح استحصال کیا جاتا رہے گا۔ ہم جب تک اپنی طاقت و قوت کا کھلم کھلا اظہار نہیں کریں گے۔ ہندوستان کی کسی بھی سیاسی جماعت بشمول برسر اقتدار پارٹی کا دماغ درست نہیں ہو گا۔

عام انتخابات اور الیکشن میں ووٹ ڈالنے کی تاریخ جب بھی قریب آتی ہے تو مسلمانوں کا ذکر خیر ہر پارٹی صبح و شام صرف اس لیے کرنے لگتی ہے کہ وہ مسلم ووٹ حاصل کرے۔ کیونکہ ہر پارٹی یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ مسلم ووٹ بینک ایک فیصلہ کن اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اور حکومت کے بنانے اور گرانے میں قوم مسلم کا ووٹ ایک معیار بن چکا ہے۔

لہٰذا ہم مسلمان آنکھ بند کر کے اندھی تقلید کے نشہ میں ہرگز ہرگز کسی ایسی سیاسی پارٹی کو اپنا ووٹ دے کر قائد و رہنما نہ بنائیں جو بعد میں آستین کا سانپ ثابت ہو۔ بلکہ پورے ہندوستان کے مسلمان اس بات پر متفق الرائے ہو جائیں کہ وہ ایسی کسی بھی پارٹی کو خاطر میں نہ لاکر ووٹ کی ہری گھاس اس کی سیاسی جھولی میں نہیں ڈالیں گے جو منہ میں رام بغل میں چھری کا مصداق بن کر حقیقت و انصاف پسندی کو بالائے طاق رکھ کر مسلم دشمنی کو اپنا شعار اور روز مرہ کا معمول بنائے رکھتی ہے اور مسلمانوں کے مسائل و مفاد کا خون ناحق کر کے اپنی سیاسی خواہشات کی آبیاری و تکمیل کرتی ہے۔ اور مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر

الیکشن گزر جانے کے بعد انہیں امیدواروں سے اسلام و مسلم دشمنی کا زہر اگلواتی ہے۔

ایسے مخدوش حالات میں مسلمانوں کو ماضی سے سبق سیکھ کر اور اپنی حیثیت و پوزیشن کو سمجھ کر اپنے بقاء و تحفظ کے لیے کسی پژمردہ اور مغلوب قوم کی طرح نہیں بلکہ ایک بہادر، نڈر، جان باز، باشعور اور زندہ قوم کی طرح اپنے بنیادی حقوق، ملی تشخص، مذہبی آزادی اور منفرد معاشرتی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے مجاہدانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اور آنے والے ہر الیکشن میں اپنے مضبوط و ملک گیر اتحاد کے ذریعہ ملک و ملت کے حق میں صالح اور مثبت نتائج برآمد کرنے کے لیے، فسطائی اور طاغوتی طاقتوں کو شکست فاش دے کر کسی ایسی منظم اور دیانت دار سیاسی طاقت کو حکومت کی باگ ڈور سونپنی چاہیے جو کہ مسلم مسائل کے حل کی جانب بھی عمدہ اور بہتر پیش رفت کرتی رہے اور جس کے دور حکومت میں ہر کوئی اپنی مذہبی اور تہذیبی روایت کے ساتھ ایک جمہوری اور اچھی زندگی گزار سکے۔

اجودھیا کی تاریخی اور واقعی بابری مسجد جو مسلمانوں کے وقار کا مسئلہ تھی۔ جس میں ۲۲/ دسمبر ۱۹۴۹ء کی شب میں ایک خفیہ پلان کے تحت پہلے مورتیاں رکھی گئیں۔ پھر یکم فروری ۱۹۸۶ء کو ڈسٹرکٹ سیشن جج فیض آباد کے یک طرفہ اور جانب دارانہ فیصلہ کے بعد اس کا تالا کھول کر غاصبانہ قبضہ کر لیا گیا۔ اور پھر چھ دسمبر ۱۹۹۲ء کو بالآخر اسے شہید بھی کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے اندرون ملک کافی فسادات ہوئے اور مسلمانوں کے جانی و مالی نقصانات کی ایک طویل فہرست بھی تیار ہو گئی۔

اب بھی فرقہ پرور عناصر مسلمانوں کو دزدیدہ نگاہوں سے (جیسے بلی چوہے کو جھپٹنے کی تاک میں رہتی ہے) نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ دیگر مساجد کے مینارے انہیں کھٹکتے ہیں۔ اذان و لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ چل ہی رہا ہے وقت ضرورت سڑک یا ایسی کسی بھی جگہ پر جمعہ و عیدین کی نماز و جماعت کے خلاف مقدمات دائر ہی ہوتے رہتے ہیں۔ شادی و طلاق کا مسئلہ اپنی جگہ ہے۔ قرآن، پرسنل لاء اور اسلام و مسلمانوں پر طرح طرح کے حملے اور طعنے روز مرہ کے معمول بنے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ہماری آنکھ نہیں کھلتی۔

اس دور میں چونکہ احتجاج مجبوروں کا ہتھیار ہے۔ اس لیے ہندوستان کے مجبور و بے بس مسلمان بھی احتجاج ہی کی زبان استعمال کر رہے ہیں۔ مگر مشاہدہ بتلاتا ہے کہ عام

احتجاجوں کی عمریں بہت ہی کم اور مختصر ہوا کرتی ہیں اور وہ بغیر کسی اثر کے ہباء منثورا بن کر فنا کے گھاٹ پہنچ جاتے ہیں۔ اور ساری کی ساری ترکیبیں صدا بصحرا ثابت ہوتی ہیں..... لیکن..... جس احتجاج کے پیچھے کوئی منصوبہ ساز ذہن اور تاریخی روایت کار فرما ہو وہ اس وقت تک نہیں دبتے جب تک کہ مقصود حاصل نہ ہو جائے۔

ہم اپنے مستقبل کو خوش گوار بنانے کے لیے تمام فرقہ پرست جماعتوں اور ان بے ضمیر و زرخرید مسلمانوں کو بھی (جو فرقہ پرستوں کے ایجنٹ بنے ہوئے ہیں) اپنی حکمت عملی سے ایسا مزہ چکھائیں کہ آئندہ وہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں۔

چونکہ ایک حلقہ سے کئی کئی مسلم امیدوار کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمان شش و پنج میں رہتے ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں۔ ایسے حالات میں دوسروں کے میدان مار لے جانے کے زیادہ امکانات ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر حلقہ کے تمامی مسلمان اپنی عوامی میٹنگ میں غور و خوض کے بعد ہی کسی مضبوط مسلم امیدوار کی حمایت کا نہ صرف اعلان کریں۔ بلکہ اس کی کنونسنگ بھی کریں۔

اس طرح سے یقیناً زیادہ سے زیادہ مسلمان امیدوار اسمبلی اور پارلیمنٹ میں پہنچ سکتے ہیں۔ ورنہ کوئی صورت نظر نہیں آتی کہ ہمارا طرۂ امتیاز برقرار رہے اور یہ ثابت ہو سکے کہ واقعی "مسلمان ملک کی شان" ہیں۔

مسلمانو!
آؤ سر جوڑ کے بیٹھیں کہ کوئی بات بنے

یہ حقیقت ہے کہ آج ہم مسلمان ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔ ہمارا تشخص حسد و نفاق کے درمیان مٹتا نظر آ رہا ہے۔ اور یہی اختلاف ہمیں صدیوں پیچھے ڈھکیل رہا ہے۔ ہر خانقاہ دوسری خانقاہ سے چپقلش رکھتی ہے۔ اکثر دارالعلوم آپس میں چشمک رکھتے ہیں۔ ایک پیر دوسرے پیر پر اپنی برتری ثابت کرنے میں مصروف ہے۔ ہر عالم دوسرے کو کمتر سمجھتے ہوئے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنا لیتا ہے۔ فروعی قسم کے مسائل پر بھی منفی شور قیامت بپا ہو جاتا ہے۔ جو مستقبل کے لیے نہایت ہی خطرناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی۔

حالانکہ امت کا کوئی بھی اختلاف ایسا نہیں جس کا تصفیہ نہ ہو سکے۔ دنیا میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جہاں فقہی احکام و مسائل میں علماء و صوفیا کا اختلاف ہوتا نظر آیا۔ دلائل سے اختلافات آج بھی فقہی مسائل میں موجود ہیں۔ مگر یہ اختلاف زحمت نہیں بلکہ تحقیق و تدقیق کی راہ میں رحمت ہیں۔ لیکن! آج چونکہ ہم میں ایک دوسرے کی فکر و تحقیق کو برداشت کرنے کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہے۔ اسی لیے یہ کش مکش ہے جو اتحاد کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اتحاد کی اہمیت ہمیشہ مسلم رہی۔ حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "اتحاد زندگی ہے اور اختلاف موت" اور یہ حقیقت ہے کہ اختلاف مرض ہے اتحاد شفا۔ اتحاد

بستی ہے اختلاف ویرانہ، اختلاف پستی ہے اتحاد بلندی، اتحاد دوستی ہے اختلاف دشمنی۔ اختلاف علامت کمزوری ہے اتحاد نشان قوت، اتحاد حمایت ہے اختلاف بغاوت، اختلاف زمانے کی لعنت ہے اتحاد وقت کی ضرورت۔ اتحاد وجہ کامرانی اور اختلاف سبب شکست، اختلاف قبح خصلت ہے اتحاد حسن فطرت، اتحاد لطافت ہے اختلاف کثافت، اختلاف رذالت ہے اتحاد شرافت، الغرض اختلاف قاتل انسانیت بھی ہے اور زہر اجتماعیت بھی۔ اور اتحاد مطلوب طریقت بھی ہے اور درس شریعت بھی۔

چھوٹے موٹے اختلافات کس طرح مٹائے جائیں؟ چپقلش کی خلیج کیسے پاٹی جائے؟ تعصب کی عینک کیسے توڑی جائے؟ انتشار و اختلاف کا عفریت اجتماع و اتحاد کے قلعہ میں جن راستوں سے داخل ہوا ان کا سد باب کیسے کیا جائے؟ اس کے لیے اکابر ارباب علم و دانش کی نگرانی میں ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کرکے اسے عملی جامہ پہنانا از حد ضروری ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ اپنے ذاتی اور فروعی نزاع و اختلاف کو بھلا کر کسی ایک متحدہ پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں اور ملت کی تابناکی اور قوم کی سلامتی کی روشن راہیں ہموار کریں۔ تاکہ امت کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو متحد کیا جاسکے۔ اگر ایسا ہوا تو ہمارا یہ قدم پوری امت مسلمہ کے لیے فال نیک بھی ہوگا اور ملت اسلامیہ کے لیے سود مند و خوش آئند بھی۔ جو زمانہ کی کروٹوں کو بدل ڈالے گا۔

حضور نوری میاں، حضور اشرفی میاں، حضور مجدد اعظم، حضور محدث اعظم، حضور مفتی اعظم، حضور فقیہ اعظم، حضور شیر بیشہ اہل سنت، حضور حافظ ملت، حضور مجاہد ملت، حضور برہان ملت، حضور محبوب ملت، حضور پاسبان ملت، حضور شاہ یار علی اور حضور تیغ علی وغیرہم بزرگان دین علیھم الرحمۃ والرضوان ہمیشہ ایک پلیٹ فارم پر اور باہم شیر وشکر رہا کرتے تھے۔ لہٰذا ہم اخلاف و اصاغر بھی کوئی ایسی لائن اختیار کریں تاکہ اجمیر، کچھوچھہ، بہرائچ، مارہرہ، بریلی و بدایوں، مرادآباد و براؤں، مبارکپور و رامپور، پیلی بھیت و جبل پور، اور دھام نگر و برہان پور وغیرھا دیگر سبھی خانقاہیں اور مدارس باہم مربوط

نظر آسکیں۔
اگر ہر شخص اسلاف و اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے کو دوسرے سے چھوٹا اور دوسروں کو اپنے سے بڑا سمجھ کر دین کے کاموں میں خلوص و للہیت کے ساتھ قدم اٹھائے تو اختلاف کی آہنی زنجیر خود بخود کٹ سکتی ہے۔ اور افتراق و انتشار کی عارضی بنیاد (دیوار) اپنے آپ مسمار ہو سکتی ہے۔
ہمیں چاہیے کہ تمام مقدس سلاسل کو اپنا محترم سمجھ کر انہیں اس طرح فروغ دیں کہ جہاں جائیں۔ ہمیں قادری چشتی نظر آئیں، سہروردی بوالعلائی نظر آئیں، مسعودی اشرفی نظر آئیں، نظامی وارثی نظر آئیں۔ تاجی بندہ نوازی نظر آئیں۔ فریدی صابری نظر آئیں، مینائی مخدومی نظر آئیں۔ برکاتی رضوی نظر آئیں۔ نوری امجدی نظر آئیں۔ حشمتی محبوبی نظر آئیں۔ عزیزی حبیبی نظر آئیں۔ تیغی مصباحی نظر آئیں۔ نعیمی علوی نظر آئیں۔ برہانی علیمی نظر آئیں۔ اور فنائی بقائی نظر آئیں وغیرہ۔ اگر یہی نظریہ لیکر ہم چلیں گے تو فروغ سنت میں ہم متحد بھی نظر آئیں گے اور دینی مقاصد میں کامیاب بھی۔
چونکہ اختلافات کو ہوا دینے کے لیے درمیانی لوگوں کے "تملق" کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے مواقع جب بھی آئیں کہ آپ کے سامنے "درمیانی آدمی" کسی کی برائی یا غیبت کر رہا ہے تو اس کا جواب تنبیہ کے ساتھ اسی وقت دیں۔ اور مختلف بزرگوں اور حلقوں کی ایک ہی چھت بن جانے کے لیے اینٹ گارے کی طرح ایک دوسرے میں جذب و منسلک ہو جانے کی اپنے اندر اہلیت و کیفیت پیدا کریں۔ اگر ہمارے اندر یہ جذبۂ اخلاص پیدا ہو گیا تو انشاء اللہ ترچھی نظریں سیدھی اور پگڈنڈیاں خوب صورت شاہراہ معلوم ہونے لگیں گی۔
اس کے لیے ہماری خانقاہوں کے سجادگان، مدرسوں کے علما، مسجدوں کے ائمہ، اور تعلیم گاہوں کے دانشوران اچھا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ چونکہ پیروں کی زبان پر اثیر اور ان کا عمل دل پسند ہوا کرتا ہے، اور عالم خود ایک انجمن ہوتا ہے، ان کے ساتھ عوام کی ایک بھیڑ ہوتی ہے۔ اس لیے اگر یہ حضرات خود پہل کریں تو راستہ ہموار ہو سکتا ہے۔ ملت کو ایک دھاگے میں پرو دینا اور امت کے شیرازہ کو مجتمع کر دینا سب سے پہلے اور

زیادہ علماء و مشائخ کا کام ہے۔ جو مذہب کا اولین تقاضا بھی ہے۔ اپنے مسلکی اور خانقاہی تشخص کو بچانے کے لیے مدرسوں اور خانقاہوں کو مل کر کام کرنا ہوگا۔

آج ہمارے دینی و دنیاوی مسائل بڑے اہم اور صبر آزما ہیں۔ دنیا ہمارے خلاف نہ جانے کیا کیا تدبیریں اختیار کر رہی رہے۔ یہ وقت ہمارے اختلاف کا نہیں بلکہ اسلام و سنت اور قوم و ملت کی حفاظت و صیانت کا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو جدا نہ سمجھیں بلکہ گلے سے لگائیں کیونکہ بد مذہبوں کا کینسر اگر ہماری جماعت کو لگ گیا تو جسم کو گھناؤنا اور روح کو پژمردہ بنا کر رکھ دے گا۔

ابھی ماضی قریب میں دنیا کے نقشہ پر پانچ (سنی حنفی) ریاستیں معرض وجود میں آچکی ہیں۔ جہاں بے دین و مذہب لابی پہنچ کر تخریب کاری میں لگ گئی ہے۔ اسی طرح پوری دنیا میں اسلام و سنیت کے خلاف لاکھوں ریال و پونڈ خرچ کرکے گمراہ کن لٹریچر چھاپ کر انھیں کم سے کم قیمت یا مفت ہی تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اور ہم ہیں کہ اپنے ہی اختلاف کے اسیر ہیں۔

حالانکہ ہمیں مذہب و وطن کی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے بیرون ملک خصوصاً تمام نئی آزاد ریاستوں میں عربی، فارسی، انگلش، اردو اور دیگر زبانوں میں ماہر افراد کو تیار کرکے انٹرنیشنل طور پر کام کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنا دفاع بھی کرنا ہے اور مستقبل کی تدبیریں بھی۔

خدا کرے ہمارے اس پیغام کو قبول عام حاصل ہو اور ہماری اس پر خلوص آواز پر ہر طبقہ اور ہر علاقہ (کم از کم ہندوستان) کے لوگ لبیک کہیں، تاکہ ہماری یہ سنجیدہ کوشش بار آور ہوسکے۔ آمین

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

پریس ریلیز

انتخابی سیاست میں امام احمد رضا بریلوی اور علماء و مشائخ کے نام کا غلط استعمال

الیکشن میں مسلم ووٹ حاصل کرنے کی دوڑ میں سبھی پارٹیاں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑ دینے کی ترکیبیں استعمال کررہی ہیں۔ اور اسی سلسلے میں کبھی اہل سنت (بریلوی) کبھی علماء و مشائخ اور کبھی امام احمد رضا بریلوی کے نام کا غلط استعمال کیا جارہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کے مشن سے ہندوستان کے کروڑوں مسلمان محبت و عقیدت رکھتے ہیں لیکن سیاسی مقصد کے لئے آپ کے نام کے استعمال کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی اپنی زندگی میں کبھی بھی کسی سرکاری آفیسر کے پاس نہیں گئے اور نہ کسی کورٹ میں کبھی حاضری دی نہ اس وقت کی کسی سیاسی سرگرمی میں کبھی شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک بار جب مولانا محمد علی جوہر آپ سے ملنے بریلی شریف پہنچے اور تحریک خلافت و تحریک ترک موالات کے سلسلے میں آپ سے بات چیت کرکے آپ کو اپنا ہمنوا بنانا چاہا تو آپ نے ان سے صاف ارشاد فرمایا کہ مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں کافی فرق ہے کیوں کہ میں اصول شریعت اور مزاج اسلام کے خلاف کبھی بھی کوئی بات برداشت نہیں کرسکتا۔

آپ کے دونوں صاحبزادگان حضرت مولانا حامد رضا بریلوی اور حضرت مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سیاسی آلودگی سے دور رہے اور حق بات کہنے میں کبھی کوئی جھجک اور اپنے بیگانے کی کوئی غیر ضروری رعایت نہیں کی۔

بابری مسجد کی شہادت کا جو زخم مسلمانوں کے دل پر لگا ہے اسے مٹانے کے لئے اہل سنت (بریلوی) اور علماء و مشائخ کے نام کو اچھالنے کے پیچھے جو سازش کارفرما ہے اس سے ہندوستانی مسلمان اچھی طرح باخبر ہیں۔ اور بریلی، کانپور، رامپور اور دہلی میں جو ہنگامے ہوئے ان کے ذریعہ مسلمانوں کے زخمی احساسات سے ساری دنیا واقف ہو چکی ہے۔

بابری مسجد کی شہادت کے سلسلے میں برسراقتدار پارٹی و اپوزیشن پارٹیوں کا کردار جس طرح داغدار رہا ہے اسی طرح اپنے اپنے انتخابی منشور میں بابری مسجد کی اصل جگہ پر اس کی تعمیر نو کا کوئی ذکر نہ کرکے تمام سیاسی پارٹیوں نے یہ ثابت کردیا ہے کہ ان سب کی نیت ایک جیسی ہے اور بابری مسجد کے مسئلہ پر سب کا موقف یکساں ہے

فرقہ پرست پارٹیوں کا ہوا کھڑا کرکے مسلم ووٹ حاصل کرنے کی ترکیب بہت پرانی ہو چکی ہے۔ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا اور وہ اس الیکشن میں کسی مسلم دشمن پارٹی کو ووٹ اور سپورٹ نہیں دے گا۔ بلکہ اپنے صوبائی حالات و حلقہ انتخاب کے مفادات کو سامنے رکھ کر جس امیدوار کو مناسب سمجھے گا اسے ہی ووٹ دے گا۔

(مولانا) یاسین اختر مصباحی
نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا کانفرنس

پتہ:
423 مٹیا محل جامع مسجد دہلی — 6
فون نمبر- 3283182

تحفہ

"مسلمان ہونا ہندوستانی جرم؟" کے مصنف مولانا فتح احمد بستوی مصباحی کی ایک تاریخی کتاب "زندہ موت مردہ زندگی" ۱۹۹۱ء میں چھپ چکی ہے۔ اب اس کے بعد تقریباً دوسو سے زائد صفحات پر مشتمل نہایت دلچسپ اور معلوماتی مضامین ومقالات کا مجموعہ "تحفہ" عنقریب آپ کو پیش کیا جائے گا۔ جس کے چند عناوین حسب ذیل ہوں گے۔ انشاء اللہ

تقدیم علامہ یٰس اختر مصباحی۔ تعارف ڈاکٹر محمد غلام یحییٰ انجم۔ کلمات تحسین علماء واحباب۔ آواز قلم (ابتدائیہ)۔ روح کی راحت۔ میلادالنبی۔ محمد کی محبت۔ نبی الانبیاء کی نبوت۔ معراج رسول۔ چشم بینا کی ضمانت۔ حضور کے والدین۔ قربانی کیا ہے؟۔ قربانی ایک عظیم یادگار۔ محرم اور عاشوراء۔ شعبان وشب برات۔ نماز اور متعلقات۔ سلام اور مصافحہ۔ فاتحہ وایصال ثواب۔ ٹوپی حضور کی سنت۔ تکبر۔ غیبت وچغلی۔ اے میری محبوب۔ غوث اعظم۔ خواجہ پیا۔ بابا فرید۔ فاضل بریلوی کون؟۔ امام احمد رضا اور ردبدعات۔ صدر الشریعہ۔ کلام نوری میں سرا پائے نور (مفتی اعظم ہند)۔ حافظ ملت۔ الجامعۃ الاشرفیہ۔ مجاہد ملت۔ شعیب الاولیاء۔ صوفی بابا۔ علامہ شاہ احمد نورانی۔ علامہ نظامی۔ علامہ یٰس اختر مصباحی۔ مولانا علیم الدین اعظمی۔ مولانا عبدالمجید نوری۔ مولانا عبدالوحید ربانی۔ تنزانیہ مشرقی افریقہ۔ ساؤتھ افریقہ۔ تحریک صلوۃ کانفرنس۔ منظومات۔ اور دیگر متفرقات۔

رابطہ کا پتہ

دارالقلم دہلی